افاداتِ آزاد

(مذہبی اور ادبی استفسارات کے جوابات)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

ادارہ
تصنیف و تحقیق
پاکستان
۱۸۔۸۶، کراچی ۳۲

کتاب :

افادات آزاد (مذہبی اور ادبی استفسارات کے جوابات)

مؤلف :

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

اشاعت اول : ۲۲ر فروری ۱۹۸۴ء

قیمت : ۲۵ روپے

طابع

ناشر

ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان ۱۸،۸۶ کراچی ۳۲

ملنے کے پتے —— (۱)

مکتبہ شاہد

علی گڑھ کالونی۔ کراچی ۴۱

(۲)

پاک اکیڈمی بک سیلرز، پبلیشرز

۲۲۔ جامع مسجد باب الاسلام۔ آرام باغ کراچی

فہرست

حرفِ ناگزیر

مولانا ابوالکلام آزاد کے ملفوظات اور استفسارات کے جوابات کا یہ مجموعہ ۱۹۶۸ء میں مرتب ہو گیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر نے اس پر نظرِ ثانی فرما کر اس کے پیش لفظ اور حواشی کی اصلاح بھی فرما دی تھی اور پروفیسر محمد اجمل خان نے مقدمہ کی شمولیت کی اجازت بھی دے دی تھی۔ یہ مقدمہ خاکسار نے ملفوظات آزاد، مولانا آزاد کے نام ادبی خطوط و جوابات آزاد اور آج کل دہلی کے آزاد نمبر ۱۹۵۸ء میں مولانا آزاد کے خطوط و جوابات کے سلسلے میں اجمل خان صاحب کے مضمون سے ضروری مطالب اخذ کر کے ایک مربوط تحریر کی شکل میں مرتب کر لیا تھا اور اس کی ایک نقل اجمل خان صاحب کی خدمت میں بھیج دی تھی اور ساتھ ہی افادات کے دیباچے کی نقل بھی روانہ کر دی تھی۔ اجمل خان صاحب خاکسار کی محنت کا اندازہ کر کے خوش ہوئے تھے اور افادات کے ساتھ یہ تحریر بہ طور مقدمہ شامل کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

اس کے بعد اس کی اشاعت کا مرحلہ درپیش تھا۔ برادرِ محترم شورش کاشمیری نے اسے شائع کرنے کا عزم فرمایا تھا اور ۱۹۷۱ء کے سفرِ لاہور کے موقع پر افادات کا مسودہ ان کے حوالے کر دیا۔ لیکن افسوس کہ شورش صاحب کے انتقال نے وہ بساط الٹ دی،

آں قدح بشکست و آں ساقی نہ ماند

افادات کی اشاعت میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ کچھ عرصے کے بعد جب افادات کے مسودے کی جستجو ہوئی تو پتا چلا کہ اس قسم کی کوئی چیز مرحوم کے کتب خانے یا دفتر چٹان میں موجود نہیں۔ اس کے ضیاع کا جو اثر قلب پر ہوا، بیان سے باہر ہے لیکن کیا جا سکتا تھا جن خطوط اور کاغذات سے یہ مجموعہ مرتب کیا گیا تھا، وہ بھی کسی ایک جگہ نہ تھے۔ لیکن الحمد للہ کہ محنت شاقہ کے بعد مجموعہ دوبارہ تیار کر لیا گیا۔

افسوس کہ آج جب یہ مجموعۂ افادات شائع کیا جا رہا ہے، حضرت مولانا غلام رسول مہر، پروفیسر محمد اجمل خان اور آغا شورش کاشمیری اس دنیا میں موجود نہیں۔ اگر یہ سچ ہے کہ اخلاف کے نیک کاموں سے اسلاف کی روحیں مسرور ہوتی ہیں اور کون ہے جو کائنات کے سب سے سچے انسان کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی اس بات میں شک کرے، تو مجھے یقین ہے کہ "افادات آزاد" کی اشاعت سے ان بزرگوں کی روحیں تسکین پائیں گی اور مولانا آزادؒ کے عقیدت مند اور شائقینِ علم و ادب کے لیے بھی اس کی اشاعت خوشی کا موجب ہو گی۔

خاکسار

ابوسلمان شاہجہانپوری

۱۶۔ جنوری ۱۹۸۴ء

دیباچہ

پاکستان میں مولانا ابوالکلام آزادؒ کے خطوط کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ **نقشِ آزاد** | مولانا غلام رسول مہر کے نام مولانا کے خطوط کا اہم مجموعہ ہے جو ۱۹۵۸ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ایک ایڈیشن اور شائع ہوا۔ نیز اس کا ایک ایڈیشن ہندوستان سے کسی ناشر نے مکتوب الیہ و مرتب کی اجازت کے بغیر چھاپ دیا ہے۔

۲۔ **تبرکاتِ آزاد** | سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولوی محی الدین قصوری، نیاز فتح پوری مرحوم، خواجہ حسن نظامیؒ اور چند دیگر حضرات کے نام مولاناؒ کے خطوط کا دوسرا اہم مجموعہ ہے جو پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

یہ دونوں مجموعے مولانا مہر صاحب نے مرتب کیے اور نہایت مفید حواشی تحریر فرمائے۔ دونوں مجموعے "کتاب منزل" لاہور سے شائع ہوئے۔

۳۔ **مکاتیبِ ابوالکلام آزاد** | مولاناؒ کے متفرق خطوط کا مجموعہ ہے۔ یہ خطوط ابھی تک کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوئے تھے۔ یہ مجموعہ راقم السطور کی ترتیب و مقدمہ کے ساتھ "اردو اکیڈمی سندھ" کراچی سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا۔

۴۔ **نوادرِ ابوالکلام** | سردار محمد اکبر خاں مرحوم کے نام مولاناؒ کے بارہ خطوط کا مختصر سا مجموعہ ہے۔ بعض خطوط نہایت اہم ہیں۔ اسے مکتوب الیہ مرحوم کے پوتے ظہیر احمد خاں ظہیر نے ڈھوک شرفا ضلع کیمبل پور سے شائع کیا۔

۵۔ **دیگر مجموعے** | الف:۔ خطوط کا ایک مجموعہ "مکاتیب ابوالکلام" کے نام سے "ادبستان" لاہور نے شائع کیا تھا۔

ب:۔ "ملفوظاتِ آزاد" کے نام سے ایک دوسرا مجموعہ "مکتبۂ ماحول" کراچی سے شائع ہوا تھا۔

"غبارِ خاطر" اور "کاروانِ خیال" کے متعدد ایڈیشن کئی ناشرین نے شائع کیے

یہ ان کے علاوہ ہیں۔

اس دوران میں ہندوستان سے مولاناؒ کے ملفوظات وجوابات پر مشتمل دو مجموعے شائع ہوئے۔

۱۔ ملفوظاتِ آزاد | یہ مذہبی احکام ومسائل سے متعلق مختلف سوالات کے جوابات کا مجموعہ ہے جو مولاناؒ نے اپنے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خان کو زبانی بتا دیئے یا لکھوا دیئے تھے۔ خان صاحب کے پاس یہ یادداشتیں محفوظ تھیں جن سے یہ مجموعہ مرتب ہوا اور "حالی پبلشنگ ہاؤس" دہلی کی جانب سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔

۲۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے نام ادبی خطوط وجواباتِ آزاد | یہ مجموعہ زبان وادب کے متعلق مولاناؒ کی جانب سے جوابات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۶۶ء میں "مکتبہ شاہراہ" دہلی سے شائع ہوا۔

یہ دونوں مجموعے محمد اجمل خان صاحب نے مرتب کیے تھے اور چونکہ ہندوستان سے شائع ہوئے تھے اس لیے پاکستان کے بیشتر اہل علم وذوق کو ان کی اشاعت کی خبر تک نہ ہو سکی۔ ضرورت تھی کہ مولانا کے ملفوظات وجوابات پاکستان میں بھی شائع کیے جائیں لیکن سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ دینی وادبی ملفوظات وجوابات کی تلاش میں سعی کی جائے اور موضوع سے متعلق تمام چیزیں اس میں شامل کر لی جائیں تاکہ مجموعہ زیادہ سے زیادہ مفید اور جامع ہو سکے۔ چنانچہ یہ اہتمام کیا گیا کہ ملفوظات وجوابات میں جن مستفسرین کے پتے موجود تھے انہیں خطوط لکھے گئے اور ان سے مولاناؒ کے اصل خطوط یا ان کی صحیح نقلیں مہیا کرنے کے لیے گزارش کی گئی۔ نتیجے کی تفصیل یہ ہے:

الف:۔ متعدد حضرات نے مولاناؒ کے اصل خطوط یا ان کی نقلیں بھیج دیں، مثلاً ملک اسلم حیات (لاہور) ایس۔ ایم۔ کامل (سیوہارہ ضلع بجنور)، بیدی بخشیش سنگھ (ڈپٹی، ضلع امرتسر) شوکت علی (حیدرآباد، دکن) مولوی غلام سرور (فورٹ سنڈیمن، بلوچستان)

ب:۔ بعض حضرات کے جواب آئے اور معلوم ہوا کہ انہیں مولاناؒ کا جواب ہی نہیں ملا تھا۔ انہیں خود ملفوظات یا جوابات سے معلوم ہوا کہ مولانا نے انہیں جواب دیا

تھا۔ مثلاً محمد مسلم (دہلی) محمد اکبر (میاں چنوں)

ج :- بعض حضرات نے معذرت لی کہ مولانا رح کے خطوط ان کے پاس محفوظ نہیں رہے مثلاً اکرام الحق خاں (سہسرام) عبدالسلام (امروہہ ضلع مراد آباد) انعام اللہ خاں سالاری (چمن، بلوچستان) ابومسعود بناری (چندوسی ضلع مراد آباد) لالہ پنڈی داس (دہلی)

د :- متعدد حضرات کے نام بھیجے ہوئے خطوط واپس آ گئے۔ اس لیے کہ جن مقامات سے ان حضرات نے مولانا رح کو خطوط لکھے تھے شاید اب وہ وہاں موجود نہیں، مثلاً محمد ابراہیم افریقی، محمد ایوب، محمد عبدالسلام، اسمٰعیل آدم بہاؤالدین احمد، حسن عابدی۔

ہ :- بعض حضرات کا انتقال ہو چکا ہے اور ان کے اخلاف کا پتہ نہیں چل سکا۔

و :- بعض حضرات سے واقف ہوں، ان کے پتے معلوم ہیں اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ میری گزارش ان تک نہ پہنچی ہو لیکن ان کے جواب سے محروم رہا۔

ز :- متعدد حضرات کے بارے میں پتہ نہیں چل سکا کہ آیا میرے خطوط ان تک نہیں پہنچ سکے یا کسی وجہ سے انہوں نے جواب دینا مناسب خیال نہ کیا یا کوئی اور امر مانع ہوا۔

ح :- بعض حضرات کے مکمل پتے درج نہیں تھے اس لیے ان تک جستجو کے قدم پہنچنے کی کوئی راہ پیدا نہ ہو سکی۔

ط :- کئی حضرات ایسے ہیں جن کے نام مولانا رح کے خطوط ہیں۔ انہوں نے از راہ کرم خطوط مہیا فرما دینے کا وعدہ بھی کیا تھا۔ لیکن خطوط مل نہ سکے۔ معین الدین پیر چشتی نظامی، محمد مقتدیٰ خاں شیروانی وغیرہ۔ نیز مولانا عبدالماجد دریابادی سے بعض خطوط ملنے کی توقع تھی۔

اس تفصیل کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ مولانا رح کے خطوط حاصل کرنے میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی گئی۔ ایک حد تک ناکامی کا اندیشہ پہلے سے تھا کیونکہ کاوش و جستجو کے لیے کم و بیش دس برس بعد قدم اٹھایا گیا تھا۔ تاہم جتنی بھی کامیابی ہوئی اسے اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص ہی سمجھنا چاہیے۔

جن حضرات کے نام مولاناؒ کے اصل جوابات یا ان کی صحیح نقلیں فراہم ہو گئیں ان کی تصحیح فراہم شدہ جوابات کے مطابق کر دی گئی اور جن حضرات کے نام مولاناؒ کے جواب دستیاب نہیں ہوئے ان کی تصحیح میں خاں محمد اجمل خان کی یادداشتوں پر اعتماد کرنا پڑا اور اس میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا گیا ہے۔

اس مجموعے کی ترتیب میں مندرجہ ذیل امور کا خیال خاص طور پر رکھا گیا۔ تاکہ اس کی افادی حیثیت زیادہ سے زیادہ بہتر ہو سکے۔

الف:۔ جہاں تک ممکن ہو سکا مکاتیب مختلف عنوانوں کے تحت ترتیب دیے گئے اس طرح ایک موضوع سے متعلق مکاتیب یکجا ہو گئے ہیں۔

ب:۔ یہ مجموعہ دینی و ادبی، دو حصوں پر مشتمل ہے اور دونوں حصوں کے شروع میں موضوع وار یا مکتوب الیہم کی فہرست [redacted] کیا گیا ہے جس سے کسی چیز کی تلاش میں آسانی پیدا ہو گئی ہے۔

ج:۔ بعض حضرات کے نام مولاناؒ کے کئی خط تھے لیکن وہ دونوں مجموعوں میں یا ایک میں منتشر تھے۔ انہیں ایک جگہ کر دیا گیا ہے اور اگر کوئی خط کسی خاص عنوان کے تحت شامل کرنا ضروری معلوم ہوا تو اس کی تصریح کر دی گئی ہے۔

د:۔ حصہ دوم میں چونکہ موضوع وار ترتیب ممکن نہ تھی۔ اس لیے انہیں تاریخی ترتیب سے جمع کیا گیا ہے۔

ہ:۔ مولاناؒ کے کسی جواب میں اگر بظاہر کوئی اشکال نظر آیا تو اسے حتی الامکان دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مجموعے کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں کہ ملفوظات و جوابات نئی ترتیب اور متن کی حتی الامکان صحت کے ساتھ شائع کیے جا رہے ہیں۔ بلکہ اس میں متعدد مسائل دینیہ کے بارے میں مولانا کے ایسے جوابات بھی شامل ہیں جو مذکورہ دونوں مجموعوں میں نہیں ہیں۔

محمد اجمل خان نے مولاناؒ کے نام چند خطوط اور ان کے جواب "آج کل" دہلی کے آزاد نمبر میں شائع کرائے تھے۔ بسوئے اتفاق سے یہ خطوط و جوابات ان دونوں مجموعوں میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ پیش نظر مجموعے میں انہیں بھی شامل کر لیا ہے۔

ان کے علاوہ بعض مسائل دینیہ کی نسبت مولاناؒ کے جو ارشادات کسی اخبار یا رسالے وغیرہ میں کبھی چھپ چکے تھے، انہیں بھی ان کی اہمیت اور موضوعِ کتاب سے مناسبت کی بنا پر اس مجموعے میں شامل کر لیا ہے۔ مولاناؒ کے یہ ارشادات بیمۂ زندگی، یتیم پوتے کی وراثت، ضبطِ تولید، قریۂ کبیرہ مصطلحۂ فقہ اور قیام صلوٰۃِ جمعہ، لونڈیوں کے ساتھ نکاح وغیرہ مسائل کے متعلق ہیں۔

تمام خطوط پر حواشی لکھے گئے ہیں یا تمہیدی عبارتیں ہیں تاکہ سوالات کی نوعیت بخوبی واضح ہو جائے۔ اس کے بغیر جوابات کے مختلف گوشے پوری طرح آشکارا نہیں ہو سکتے تھے۔

اس مجموعے سے بعض ایسے جوابات خارج کر دیے ہیں جو مولاناؒ کی جانب سے نہیں تھے۔

اس اہتمام تصحیح اور ترتیب و توضیح کے علاوہ بھی پیش نظر مجموعے کی چند خصوصیات قابل توجہ ہیں مثلاً

الف:۔ چند خطوط کے سوا تمام خطوط ایسے ہیں جو کسی دوسرے مجموعۂ مکاتیب میں شامل نہیں

ب:۔ مولانا غلام رسول مہر، مولانا عبدالماجد دریا بادی وغیرہ کے نام مولانا کے مکاتیب شائع ہو چکے ہیں لیکن اس مجموعے میں بعض ایسے خطوط شامل ہیں جو اس سے پہلے دستیاب نہیں ہوئے تھے۔

ج:۔ ڈاکٹر سید محمود، ظفر حسن خاں، پرشوتم داس ٹنڈن، سر تیج بہادر سپرو، پنڈت سندر لال، سیّد ذوالفقار علی بخاری وغیرہ کے نام مولانا کے خطوط پہلی مرتبہ منظر عام پر آئے ہیں۔

د:۔ یہ مجموعہ پہلی اشاعتوں سے ضخامت میں ممکن ہے کچھ کم ہو لیکن افادیت و جامعیت کے نقطۂ نگاہ سے اس کی حیثیت محتاج بیان نہیں۔

ہ:۔ ملفوظات و جوابات کے مقابلے میں اس مجموعے میں نہایت گراں قدر اضافے ہیں۔

اگرچہ اس مجموعے کا بیشتر مواد ملفوظات و جوابات سے ماخوذ ہے لیکن جہاں تک ترتیب اور دیگر خصوصیات کا تعلق ہے یہ بالکل ایک نئی چیز ہے۔

ابو سلمان شاہجہان پوری

محمد اجمل خان
پرائیویٹ سکریٹری حضرت مولانا آزادؒ

مقدمہ

۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دس گیارہ سال کی مدت میں برصغیر پاک و ہند کا اہم تاریخی اور ہنگامہ خیز دور تھا برصغیر میں برٹش حکومت کے قیام کے بعد جب ۱۹۳۷ء میں پہلی بار ملکی صوبائی حکومتوں کا قیام عمل میں آیا اور بعض صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں بنیں تو ان کی نگرانی کے لیے ایک کانگریس پارلیمنٹری بورڈ بھی قایم کیا گیا۔ اس کے تین ارکان میں سے ایک رکن مولانا ابوالکلام آزاد تھے۔

مولانا کے سیکریٹری کی حیثیت سے اس تاریخی دور کے روز و شب اور سفر و حضر میں مجھے ان کی معیت کا شرف حاصل رہا۔ مولانا اس زمانے میں انتہائی مصروف رہتے تھے۔ سیاسی سرگرمیوں سے انہیں دم لینے کی فرصت نہیں ملتی تھی۔ کبھی مختلف پارٹیوں کے لیے بیانات، کبھی وزارتوں اور سیاسی کارکنوں کو ہدایات، کبھی ملک اور بیرون ملک کے سیاسی رہنماؤں اور وفود سے ملاقاتیں، کبھی دینی اور سماجی مصلحوں سے باتیں یعنی کہ زندگی کیا تھی ایک طوفان تھی۔

اس زمانے کے ہنگاموں میں مولانا کے ساتھ رہنے میں ایک ایسا سرور و کیف تھا جو وہی لوگ جان سکتے ہیں جو خود ایسے انقلابی دور سے گزرے ہوں۔

اس زمانے کے مختلف واقعات کو میں باقاعدہ کتابی صورت دینا چاہتا تھا اور اس کتاب کا نام میں نے "از پس پردہ" رکھا تھا۔ اس کتاب میں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے حالات مختلف افراد اور جماعتوں کی قلمی تصویریں اور ایسے دل چسپ واقعات و حادثات تھے جو ایک ہم عصر و ہم جلیس ہی لکھ سکتا ہے۔ عام زندگی کی رنگینیوں کا بھی اس میں ذکر تھا اور سنجیدہ صحبتوں اور علمی مجلسوں کا حال بھی تھا۔ یہ طلسم ہوشربا کی جلد ہشتم تحریری شکل میں موجود تھی کہ ملک تقسیم ہو گیا۔

میں اس وقت لودھی روڈ پر مقیم تھا۔ آزادی کی خوشی میں ترنگا جھنڈا میرے مکان پر لہرا رہا تھا کہ ٹھیک بیس دن بعد ۵ ستمبر ۱۹۴۷ء کو ننگی تلواریں لیے ہوئے

لنگوٹ باندھے ہوئے چند برد آزما میرے "غربت کدے پر حملہ آور ہوئے۔ اتنے میں میں پہنچ گیا۔ مجھ ہی سے پوچھا، یہاں کوئی مسلمان ہے؟ میں نے کہا میں حاضر ہوں بھلا وہ یہ مذاق کب گوارا کر سکتے تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے کہ ہمارے بہت سے آدمی پاکستان میں قتل ہو چکے ہیں۔ افسوس یہاں کوئی نہ ملا کہ پاکستان کا بدلہ لیتے، اچھا آگے چلتے ہیں۔ اسی دن جالندھر میں ڈاکٹر ذاکر حسین بھی ایک سکھ دوست کی وجہ سے مصلوب ہونے سے بچے۔ میں مولانا کا مہمان بن گیا۔ دوسرے دن "دوستوں" کو حقیقت معلوم ہوئی، گھر پر چڑھ دوڑے اور احتیاط کے ساتھ سامان سنبھالا اور چلتے بنے۔ لیکن چلتے چلتے میرے مسودات نذر آتش کر گئے۔ جس میں یہ کتاب "از پس پردہ" بھی تھی اور میں یہ شعر پڑھ کر چپ ہو گیا۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

البتہ "از پس پردہ" کی راکھ میں "حسرت تعمیر" کی جو چنگاریاں دبی رہ گئی تھیں وہ "آتش کدۂ آزر" بنانے کے لیے کافی تھیں۔ میں نے دوبارہ اسے تیار کرنا شروع کر دیا ہے۔ بالفعل اس اہم تاریخی دور کے لوگوں کے مختلف سوالات کے متعلق مولانا کے ملفوظات و جوابات پیش کیے جا رہے ہیں۔

مولانا کو مختلف سیاسی، سوشل اور سرکاری مصروفیتوں سے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ ہر سوال کے متعلق تفصیل سے کچھ ارشاد فرمائیں۔ وہ چند لفظ فرما دیتے تھے۔ یہ میرا کام تھا کہ اسے مربوط عبارت کا جامہ پہناؤں۔ اس لیے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ یہ الفاظ مولانا کے نہیں، میرے ہیں۔ ان کے مفہوم کی صحت کا میں ضامن ہوں۔

نقش اندیشہ من جملہ ز تست　　　　گوئی الفاظ و عبارات تو ام

بالفرض اگر کہیں مسامحت ہوئی ہو تو اس کی تشریح کرنے کو تیار ہوں۔ اسے مولانا مرحوم کے قلم کی لغزش اور فکر کی کوتاہی نہ سمجھی جائے۔

مولانا ابوالکلام آزاد ایک غیر معمولی عالم دین، اردو کے بے مثال ادیب اور عظیم سیاسی مدبر تھے۔ وہ ہر میدان کے شہسوار اور ہر معرکے کی صف اول میں تھے۔

اور علم وفکر ونظر کے ہر مقام پر یگانہ روزگار نظر آتے ہیں۔

مسائل دینیہ میں ان کی جدت پسندی، علوم دینی میں ان کی ژرف نگاہی اور بصیرت ان کے تبحر علمی پر شاہد عدل ہے۔ طلاق مرّتان کے سلسلے میں ان کا اجتہاد قابل تقلید ہے۔ بنک کے سود اور انشورنس کے معاملے میں وہ جدید معاشرے کی مجبوریوں کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ پردے اور غضِ بصر کے متعلق وہ حقیقی اسلامی فیصلہ نمایاں کرتے ہیں

مولانا چاہتے تھے کہ دین ہو یا ادب، دونوں میں قدیم بنیادوں کو ڈھایا نہ جائے بلکہ تاریخی تسلسل کے ساتھ خیالات کو اس طرح قائم کیا جائے کہ جدید علوم پرانے ساغروں میں ڈھل کر دو آتشہ بن جائیں۔ دنیا میں ہمیشہ ادب ہی کے ذریعے انقلاب پھیلا ہے۔ ادب کا مقصد قدیم وجدید کی آویزش پیدا کرنا نہیں بلکہ اس آویزش کو ختم کرنا، معاشرے کو حقیقی اصلاح وترقی کی طرف لے جانا اور ایسا ماحول پیدا کرنا ہے کہ آدمی انسان بن جائے۔ اِس کتاب میں جو چیز سب سے نمایاں ہے، وہ یہی ہے کہ مولانا نے آدمی کو انسان بنانے کی کوشش ادب کے ذریعے کی ہے۔

مولانا نے ابتدا میں جو ادب پیدا کیا وہ عوام کے لیے نہ تھا اُس کے مخاطب خواص تھے اور خواص ایسی زبان پسند کرتے تھے جس میں عربی وفارسی کی کثرت ہو۔ لیکن عوام سے قریب آنے کے بعد مولانا کو اپنی زبان کا انداز بدلنا پڑا اور ٹھیٹھ اردو زبان ان کی تحریر وتقریر میں زیادہ جگہ پانے لگی۔

گلستان ادب وانشا میں وہ ایک عدیم المثال طرز کے موجد ہیں اور اردو صحافت میں تو باوجود کاغذ اور مطابع کی فراوانیوں کے اب تک الہلال کا مثل ظہور میں نہیں آیا۔

خارستان سیاست میں عام رہرو کانٹوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے اور منزل مقصود نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے لیکن مولانا ہیں کہ بلاؤں کے سیلاب میں گھس جاتے ہیں اور بے راہ روی اختیار نہیں کرتے۔

مولانا نے اپنی زندگی میں مختلف حیثیتوں سے ہزاروں خط لکھے اور لکھوائے ہوں گے۔ ان خطوط کی الگ الگ نوعیتیں ہیں۔ ان میں آپ کو "غبار خاطر" کے خطوط کا لطف تو شاید نہ آئے اس لیے کہ وہ ایک خاص صنف کے خطوط ہیں اور بالارادہ "غبار خاطر" کو ادبیات کے خم میں غرق کرنے کے لیے لکھے گئے ہیں لیکن ادب

کے علاوہ دوسرے میدان بھی ہیں جن میں مولانا کے فیصلے نہ صرف ناطق بلکہ مختتم ہیں۔ یہ خط انہوں نے بحیثیت ادیب کے نہیں لکھے۔ ان میں مختلف اصناف کے خطوط ہیں، ان میں سے ہر صنف کا خط ظاہر کرتا ہے کہ کاتب عالم ہے، مدبّر ہے، مبلغ ہے، فقیہہ ہے، دوست ہے، بزرگ ہے یا کیا ہے۔

مولانا کے نام جو خط آتے تھے، وہ ان کی خدمت میں پیش کیے جاتے تھے، وہ ان پر نظر ڈالتے ہی ان کا جواب برجستہ اور بے تکان دے دیتے تھے۔ جواب دینے میں انہیں کبھی ایک لمحے کا تامّل ہوا نہ سوچنا پڑا۔

ملفوظات وجوابات کا یہ مجموعہ نہ مولانا کے انشا کا نمونہ ہے نہ فن مکاتیب نویسی کا۔ یہ مولاناؒ کے ارشادات ہیں جو میں نے جمع کر لیے تھے لیکن یہ مولاناؒ کی معجز بیانی، نکتہ رسی اور معاملہ فہمی کا بہت بڑا ثبوت اور افکارِ عالیہ کا بیش بہا سرمایہ ہیں۔

مولاناؒ کے ملفوظات سے نہ صرف اس دور کی مذہبی اور سیاسی وسماجی تاریخ مرتب ہو سکتی ہے بلکہ یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں لوگوں کے کیا مسائل تھے اور کیا کیا خیالات اور سوالات ان کے دلوں میں پیدا ہوتے تھے اور ان کا پس منظر کیا تھا؟

ملفوظات کے سلسلے میں بیسیوں کتابیں فارسی اور اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔ ملفوظات کی صحت زیادہ تر ناقل کی ثقاہت پر مبنی ہوتی ہے۔ موجودہ سلسلے کی صحت بھی میری یادداشتوں کی صحت پر منحصر ہے۔

میں نے جملہ ملفوظات کو تین بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے یعنی دینی، ادبی اور سیاسی۔ پیش نظر مجموعے میں مولاناؒ کے دینی اور ادبی ملفوظات وجوابات شامل ہیں۔ اس میں بعض سیاسی اور تاریخی چیزیں بھی آگئی ہیں لیکن سیاسی وتاریخی ملفوظات الگ زیر ترتیب ہیں۔ یہ سب روایات وحکایات اور افکار ومعلومات جنہیں "افادات آزادؒ" کی شکل میں ترتیب دیا ہے مولاناؒ کی دین پرستی، ادب نوازی، انسان دوستی اور حبِ ملی وقومی کی زندہ یادگار ہیں۔

زاہد بیاد موسے شہیدان عشق بین

کیں موت دانہ زندگیِ جاودان رسید

حصّہ اوّل

دینی

فہرست حصہ اوّل

ایمان و عقائد

- مذہب کی ضرورت اور اس کی اہمیت
- عقائد مذہبی کی بنیاد۔ تقلید و توارث یا تحقیق و نظر
- شرطِ ایمان و نجات
- معیارِ حق
- حیات بعد الموت

اقبال صدیقی (لکھنو)

(اس پروپیگنڈے کے بارے میں کہ اس ایٹمی دور میں مذہب کی اہمیت نہ صرف کم بلکہ ختم ہو گئی ہے۔ مولانا کی رائے دریافت کی گئی تھی۔ ۳۰ دسمبر ۵۵ء)

مولانا فرماتے ہیں:

مذہب کی اہمیت کبھی ختم نہ ہو گی۔ مذہب اطمینان قلب کی دوا ہے۔ اگر مریض یہ جان لے کہ وہ مریض ہے تو ضرور معالج کی تلاش کرے گا۔ سوال یہ ہے کہ مسلمان یا کوئی دوسرا یہ بھی جانتا ہے کہ وہ بیمار ہے؟ اور بیماری کا اچھا معالج اور صحیح علاج کہاں ہے؟

والسّلام

راقم

محمد اجمل خاں

غلام رسول صدیقی (بمبئی)

(غلام[1] رسول صدیقی بمبئی میں کسی کالج میں سائنس کے طالب علم تھے انہوں نے لکھا تھا کہ وہ اوھام اور خیالات کی تاریکیوں میں الجھ گئے ہیں اور یقین و اعتقاد کی منزل تک پہنچنے کے لیے مولانا کی رہنمائی کے طالب ہیں۔ ۳ نومبر ۵۶ء)

خاص چیز جو آپ کے سامنے آئی ہو لکھیے کہ کس عقیدے کو آپ نے ترک کیا ہے اور پھر اس کھوئے ہوئے عقیدے کو واپس لانے کے متعلق آپ ایک تحقیقی عقیدہ چاہتے ہیں۔ اس سے آپ کی کیا مراد ہے؟

---

[1] اس کے بعد کی عبارت اجمل خاں صاحب کی یادداشت میں نہیں تھی البتہ انہوں نے غلام رسول صدیقی کا جو دوسرا خط نقل کیا ہے اس میں موصوف نے مولانا کا یہ سوال لکھ کر اس کا جواب دیا ہے۔ مناسب معلوم ہوا کہ یہ عبارت بھی یہاں بڑھا دی جائے (مرتب)

(٢)

(غلام رسول صدیقی کے دوسرے خط کے جواب میں)

١٦ / نومبر ٥٦ء

یہ صحیح ہے کہ مذہبی اعتقاد کی بنیاد تقلید و توارث پر نہیں بلکہ تحقیق پر ہونی چاہیے۔

مگر سوال یہ ہے کہ تحقیق و نظر کا معیار کیا ہو؟ انسانی علم جہاں تک پہنچا ہے وہ منفی درجے سے آگے نہیں بڑھتا یعنی سائنس ہمیں بتلاتا ہے کہ وہ خدا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اور نہ یہ اس کا میدان تحقیق ہے۔ یعنی کوئی مثبت جگہ وہ اختیار نہیں کرتا۔ اس کی جگہ لاادری کی ہے ایسی حالت میں ہمیں اطمینان و تسکین کے لیے کسی مثبت آواز کی ضرورت ہے اور مثبت آواز دین و وحی کی ہے۔ دائمی دین یہ نہیں کہتا کہ وہ نہیں جانتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ "علی بصیرۃ من ربی" مجھے اس بارے میں یقین و بصیرت حاصل ہے میں جانتا ہوں، میں سنتا ہوں، میں دیکھتا ہوں کہ ماوراء الورا ایک ہستی ہے اور اس کی روشنی نوع انسانی کو مل سکتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمیں اس بارے میں اس آواز کا ساتھ دینا چاہیے جو عدم علم کا اقرار کرتی ہے یا اس کا جو علم و یقین کی راہ دکھاتی ہے۔

موجودہ زمانے کے جو قابل اعتماد مفکر ہیں ان سب کو یہی راہ اختیار کرنی پڑی آپ برٹرینڈ رسل کی آخر تحریرات کا مطالعہ کیجیے۔

احمد ثبات (ڈربن۔ ساوتھ افریقہ)

(احمد ثبات (ڈربن۔ ساوتھ افریقہ نے) نے مولانا محمد میاں کی معرفت یہ دریافت کیا تھا کہ نجات کے لیے ایمان بالرسل ضروری ہے یا نہیں؟ اور غیر مسلموں کو ان کے نیک اعمال کی جزا خواہ جنت اور خروج عن النار یا تخفیف عذاب کی صورت میں ملے گی یا نہیں؟ مولانا آزاد کی طرف سے جواب بھی مولانا محمد میاں کی معرفت دیا گیا۔ ٩ / جون ١٩٥٦ء)

٤۔ کنگ اڈورڈ روڈ

٢١ / جنوری ١٩٥٦ء

مکرم و محترم۔ تسلیم

حضرت مولانا نے جنوبی افریقہ کے خط کا جواب لکھوا دیا ہے۔ مرسل ہے۔ دوسرا

خط واپس ہے اس کے متعلق زبانی گفتگو آپ سے یا مولانا محمد حفظ الرحمان صاحب سے ہو جائے گی۔

راقم
محمد اجمل خاں

بخدمت مولانا محمد میاں صاحب
دفتر جمعیت علماء، دہلی

اس خط کے ساتھ ایک اور خط نیز گجراتی اخبار کے تراشے مرسل ہیں۔ جن کا مفہوم بھی یہی ہے آپ چاہیں تو اس کا خلاصہ اردو میں کرالیں۔

اجمل

جواب از حضرت مولانا آزاد صاحب

۱۔ قرآن نے ایمان و نجات کے لیے یہ بات بھی بطور بنیادی شرط کے قرار دی ہے کہ تفریق بین الرسل نہ کی جائے یعنی تمام انبیاء پر بلا استثناء ایمان لایا جائے۔ جو غیر مسلم حضرت خاتم النبیینؐ پر ایمان نہیں لاتا وہ تفریق بین الرسل کرتا ہے اور یہ کفر ہے۔

۲۔ قرآن نے یہ ضرور کہا ہے کہ ہر عمل کی ایک جزا ہے اور وہ عامل کو ضرور ملتی ہے۔

راقم
محمد اجمل خاں (پرائیویٹ سکریٹری)
منجانب حضرت مولانا ابوالکلام آزاد
۲۱ رجنوری ۱۹۵۶ء ؁ [1]

محمد ابراہیم اکھلوایا افریقی (ڈابھیل، ضلع سورت)

(شرط نجات اور جزائے اعمال کے بارے میں یہ دو سوال کیے گئے تھے۔
۱۔ کیا نجات کے لیے ایمان باللہ اور عمل صالح کافی ہے ایمان بالرسل کی ضرورت نہیں؟
۲۔ کیا یہود و نصاریٰ اور دیگر غیر مسلموں کو ان کے اعمال صالحہ کی آخرت میں جزا ملے گی؟
۳ر مارچ ۵۶ء)

---

[1] مولاناؒ کے اس جواب کی نقل افریقہ سے خط و کتابت کر کے منگوائی گئی۔

قرآن نے ایمان بالرسل پر زور دیا ہے اور تفریق بین الرسل کو کفر قرار دیا ہے یعنی کسی ایک نبی کو ماننا اور دوسرے کا انکار کرنا کفر ہے اگر ایک شخص تمام نبیوں پر جن میں خاتم النبیینؐ بھی داخل ہیں ایمان رکھتا ہے تو وہ نجات یافتہ ہے۔

عمل صالح کے ساتھ ایمان واعتقاد بھی ضروری ہے البتہ قرآن نے اس پر بار بار زور دیا ہے کہ کوئی عمل صالح ضائع نہیں جاتا اور نہ کوئی عمل بد بغیر سزا کے رہ جاتا ہے لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۤءًا يُّجْزَ بِهٖ [۱]

مطلوب احمد، حافظ ابوالحسن اور جمیل احمد (سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ)

(درج ذیل عبارت کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی کہ آیا یہ عبارت قابل اعتراض ہے؟ اور کیا اس سے انبیاءِ کرام کا انکار لازم ہے۔

"رسول خدا کے سوا کسی انسان کو معیارِ حق نہ بنائے کسی کو تنقید سے بالاتر نہ سمجھے کسی کی ذہنی غلامی میں مبتلا نہ ہو ہر ایک کو خدا کے بتائے ہوئے اس معیارِ کامل پر جانچے اور پرکھے اور جو اس معیار کے لحاظ سے جس درجہ میں ہو اس کو اسی درجہ میں رکھے" [۲])

۲۲ / اپریل ۱۹۵۷ء

جناب محترم۔ تسلیم

آپ کا خط ملا۔ اس عبارت کا بظاہر یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ ایسی معصوم ہستی جس کا ہر قول و فعل بلا چون و چرا تسلیم کیا جائے صرف پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ آپ کے علاوہ اسلام کی اور کوئی شخصیت ایسی نہیں۔ اس میں انبیاء سابقین کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا۔ بظاہر مقصود اسلام اور پیروان اسلام ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسی امام مالکؒ سے منقول ہے کہ ہر شخص کی بات پکڑی جائے گی اور چون و چرا کیا جا سکے اِلَّا صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ اور آنحضرتؐ کی قبر کی طرف اشارہ کیا۔

---

[۱] سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۲۳، اس کا ترجمہ یہ ہے "(مسلمانو! نجات و سعادت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر (موقوف) ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ (وہ تو ایمان و عمل پر موقوف ہے) جو کوئی برائی کرے گا (خواہ کوئی ہو) ضروری ہے کہ اس کا بدلہ پائے۔

[۲] اگرچہ مکتوب نگار نے حوالہ نہیں دیا لیکن یہ عبارت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ہے اس زمانے میں مختلف مکاتبِ فکر کے علما میں یہ عبارت موضوعِ بحث بنی ہوئی تھی۔

ہاں جس شخص کی یہ عبارت ہے اگر اس کے اور اقوال ایسے موجود ہیں کہ جن کی روشنی میں اس عبارت کا دوسرا مفہوم نکالا جاسکتا ہو تو اس پر غور کیا جاسکتا ہے لیکن صرف اس عبارت میں کوئی قابل اعتراض بات معلوم نہیں ہوتی ۔

مطلوب احمد (سرائے میر ضلع اعظم گڑھ)

(۲)

(مطلوب احمد صاحب نے دوسرے خط میں کچھ اور عبارتیں نقل کی تھیں جو پچھلی عبارت کی توضیح وتشریح میں صاحب تحریر (مولانا مودودی صاحب) نے لکھی تھیں یہاں بھی انہوں نے صاحب تحریر کا نام ظاہر نہیں کیا تھا۔ ۲۰ رمئی ۵۷ء)

جو عبارت آپ نے لکھی ہے اس میں بظاہر کوئی بات قابل اعتراض نہیں معلوم ہوتی ۔

مولانا رشید الدین فراہی (سرائے میر۔ اعظم گڑھ)

(مولانا فراہی نے مولانا مودودی کی وہی عبارت نقل کی تھی جو اس سے پہلے نقل ہوچکی ہے اور اس پر یہ سوالات کیے تھے ۔

۱ ۔ مذکورہ بالا جملوں سے انبیاء سابقین کی تکذیب، صحابہ کرام اور دیگر صالحین امت کی توہین وتنقیص اور ائمہ مجتہدین کی ترک تقلید کا پہلو تو نہیں پیدا ہوتا ۔

۲ ۔ کیا معیار حق رسول خدا کے سوا صحابۂ کرام وغیرہم نہیں ہیں ؟ جن کی معیاریت پر کتاب وسنت میں متعدد نصوص بتائے جاتے ہیں اور کیا دوسرے جملے سے صحابۂ کرام کا تنقید سے بالاتر نہ ہونا متبادر نہیں ہوتا ؟ جو نصوص صریحہ کے صراحۃً معارض کہا جاتا ہے ۔

فراہی صاحب نے یہ بھی لکھا تھا یہ عبارت کلمہ اسلام کے دوسرے جز "محمد رسول اللہ" کی تشریح میں لکھی گئی ہے ۔ ۵ رمئی ۵۴ء)

جو عبارت آپ نے لکھی ہے اسے "محمد رسول اللہ" کے ترجمے کے لیے استعمال کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا لیکن آپ کا یہ استنباط صحیح نہیں ہے کہ اس عبارت سے صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کی تنقیص نکلتی ہے ۔ شرعاً معیار حق صاحب وحیؐ ہے صحابۂ کرام کو جو مقام حاصل ہے وہ تبعاً حاصل ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کا انہوں نے حتی الامکان اتباع کیا اس لیے ان کی شخصیت بھی ہمارے

لیے قابل احترام ہوئی لیکن ہر حال میں اصلی شخصیت صاحبِ وحیؐ کی ہے نہ کہ کسی اور کی۔

آنحضرتؐ کے سوا ہمارے عقیدے میں کوئی شخص معصوم عن الخطا نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ امام مالک نے آنحضرتؐ کی قبر کی طرف اشارہ کرکے کہا۔ اس قبر والے کے سوا ہر شخص سے دلیل پوچھی جائے گی اور غلطی پر باز پرس ہوگی۔

محمد حسین (میرپور خاص، سندھ)

(سوال یہ تھا کہ آیا انسان مرنے کے لیے زندہ کیا جائے گا اور خدا کے سامنے اسے اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا؟ ۱۹ر مارچ ۱۹۵۶ء)

مسلمانوں کا جزوِ ایمان یہی ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور حساب ہوگا۔

عبادات

☆ الصلوۃ:

قریۂ کبیرہ مصطلحہ فقہ، حنفیہ و مسئلہ قیامِ صلوۃِ جمعہ
قیام صلوۃ جمعات و عیدین
خطبۂ جمعہ
نماز میں لقمہ
رفع یدین
قرأت فاتحہ خلف الامام
آمین بالجہر ..... وغیرہ

☆ الصوم:

روزے میں انجکشن

☆ الحج:

مانگ کر حج کرنا

☆ الزکوۃ:

قیام نظام زکوۃ
طریق ادائیگی
اجراء و انضباط زکوۃ

نامعلوم

کسی صاحب نے لکھا تھا کہ موضع کریم چک میں مسلمانوں کے ایک سو گھر آباد ہیں، علماء موجود ہیں، ضرورت کی ہر چیز مل جاتی ہے حتیٰ کہ دو دکانیں دواؤں کی بھی ہیں۔ کیا اس موضع پر "قریہ کبیرہ" مصطلحِ فقہ حنفیہ کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ اور یہاں نمازِ جمعہ ہونی چاہیے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین۔

فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ کے اقوال مصر و قریۂ کبیرہ کی تعریف میں حد درجہ مختلف ہیں۔ اور کتب متداولہ فقہ میں کوئی متفق تعریف موجود نہیں۔ بعض کا قول ہے کہ مصر وہ ہے، جہاں ہر پیشہ ور سال بھر تک بلا احتیاج تغیر اپنے پیشے کو جاری رکھ سکے" ان یعیش کل محترف بحرفتہ من سنۃ الی سنۃ من غیر ان یحتاج الی حرفۃ اخری" (المضمرات) بعض نے صرف اس کو کافی سمجھا ہے کہ وہاں ہر پیشے کے لوگ زندگی بسر کرتے ہوں اور ہر پیشے سے مقصود ضروری پیشے ہیں۔" ان یعیش فیہ کل صانع بصنعتہ (ابو المکارم) بعض نے کہا کہ دس ہزار ہوں (ابو المکارم) بعض نے کہا کہ وہاں قاضی و مفتی ہو اور امیر ہو جو احکام و حدود قائم رکھ سکے اور امام کرخیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے (ھدایہ) ایک روایت یہ بھی ہے کہ اگر تمام آبادی کے وہ لوگ جن پر جمعہ فرض ہے، اکٹھے ہوں، تو وہاں کی بڑی مسجد ان کے لیے کافی نہ ہو۔ بما لا یسع اکبر مساجدہ اھلہ (برجندی) پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ "اکبر مساجد" سے کیا مقصود ہے؟ بعض نے کہا کہ وہاں کی جامع مسجد، لیکن زیادہ پسندیدہ تفسیر اس کی یہ سمجھی گئی، کہ جو مسجدیں پانچ وقت کی جماعت کے لیے ہوں، ان میں سے بڑی مسجد کافی نہ ہو اور ایک جامع مسجد بنانے کی ضرورت پیش آئے "لو اجتمعوا فی اکبر مساجدھم لایسعھم حتی احتاجوا الی بناء المسجد الجامع" (برجندی) بعض نے کہا کہ اتنے لوگ ہوں کہ اگر دشمن چڑھ آئے تو دفاع کر سکیں" ان یکون بحال لو قصدھم عدو دفعتہ (برجندی) سب سے زیادہ صاف اور سلجھی ہوئی تعریف یہ کی گئی ہے کہ وہاں انسان کے حوائج ضروریہ

کے پورا کرنے اور حاصل کرنے کا سامان ملتا ہو، مثلاً کپڑا اور غلہ وغیرہ۔

غرض کہاں تک اقوال نقل کیے جائیں۔ مقصود یہ ہے کہ اس بارے میں سخت اختلاف واقع، اور خود قدماء محققین حنفیہ کا مسلک، متاخرین کی قیاس آفرینیوں میں مستور و مفقود۔ اسی اختلاف کو دیکھ کر بالآخر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو لکھنا پڑا کہ "در بحث جمعہ روایات فتاوی فی الواقع الخ"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصلی حقیقت اس مسئلے کی کیا ہے؟ تو اس بحث کو سردست نہ چھیڑیے۔ یہ بہت تفصیل طلب ہے اور آپ کے لیے چنداں سود مند نہیں۔ مقصود اصلی ایک خاص موضوع کے متعلق فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ کا حکم معلوم کرنا ہے۔ سردست تعریف مصر کے طے کرنے کی آپ کو کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ فقیر نے حال میں ایک رسالہ مقاصد جمعہ پر لکھا ہے اور اس میں یہ بحث بہ تفصیل مرقوم اور الحمد للہ کہ تمام نزاعات و اختلافات کے لیے فیصلہ کن اور وجوہ و غوامض اجتہادِ ائمہ کے لیے کاشف و مبیّن، اگر اشاعت کی نوبت آئی تو ان شاء اللہ تمام ردوکد کے لیے تسلی بخش ہوگا[1]۔

جس موضع، کریم چک کا حال آپ نے لکھا ہے وہاں مطابق احکام فقہ حنفی نمازِ جمعہ ضرور ہونی چاہیے اور ہرگز ہرگز اس عظیم ترین عبادت اسلامی و اہم ترین اجتماع دینی کو ترک نہیں کرنا چاہیے، آپ لکھتے ہیں کہ سو (۱۰۰) گھر مسلمانوں کے ہیں، علماء موجود ہیں، ضروریات و احتیاجات کے لیے دکانیں موجود، حتیٰ کہ دو (۲) ادویہ فروش تک وہاں موجود۔ یہ تمام باتیں اس کے لیے کافی ہیں کہ جس قریۂ کبیرہ کا ہونا جمعہ کے لیے حنفیہ نے شرط قرار دیا ہے، اس کا اس پر پورے اطمینان کے ساتھ اطلاق کیا جائے[2]۔

---

[1] مولانا کے اس رسالے کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چل سکا۔

(۲) منقول از "ذکرِ آزاد" مولفہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم۔

عبدالماجد (بالکوڈ، ضلع سیلم احاطہ مدراس)

(شہر بالکوڈ میں جہاں ایک ہزار گھر مسلمانوں کے تھے کچھ مسلمان نماز جمعہ کے جواز کے قائل نہ تھے اور نماز جمعہ پڑھنے والوں کو اس سے روکتے تھے اس سلسلے میں مولانا سے حکم شریعت دریافت کیا تھا)

۱۲ر نومبر ۱۹۵۴ء

یہ ان کا خیال غلط ہے[1] ۔ صحیح بات یہی ہے کہ اگر مسجد ہے اور ایک ہزار آبادی مسلمانوں کی ہے اور جمعہ کا انتظام ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ جمعہ قائم نہ کیا جائے

سید حسن (مدراس)

(دریافت کیا گیا تھا کہ آیا شافعی طریق کس رو سے کسی شہر میں نماز جمعہ ایک سے زائد مسجدوں میں ادا کی جاسکتی ہے ؟)

۲۹ ر دسمبر ۱۹۵۵ء

اگر شہر کی آبادی اتنی ہے کہ ایک مسجد میں گنجائش نہیں نکل سکتی تو ایک سے زیادہ مسجدوں میں نماز پڑھی جاسکتی ہے اس کو ناجائز سمجھنا صحیح نہیں ۔

محمد قاسم (بلم کنڈہ)

(سوال یہ تھا کہ کیا کسی ایسے قصبے میں جہاں ۱۰۰،۵۰ مسلمان ہوں جمعہ کی نماز پڑھ سکتے ہیں ؟ ۵ر مارچ ۱۹۵۲ء)

ہاں (پڑھ سکتے ہیں)

محمد ادریس (دہلی)

(مکتوب الیہ ایک مسجد میں عیدین کی نماز کا سلسلہ شروع کرنا چاہتے تھے اور اس سلسلے کی ابتدا کے لیے مولانا سے عید الفطر کی نماز پڑھانے کی درخواست کی تھی)

---

[1] یعنی قیام صلوۃ جمعہ کے مخالفین کا خیال غلط ہے ۔

۲۹ ر اپریل ۱۹۵۶ء

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں عیدین کی نمازیں نہ ہوں لوگوں کو جامع مسجد یا عیدگاہ میں نماز پڑھنی چاہیے۔ آپ مسجد ہذا میں نماز عید کا اہتمام نہ کریں۔

حافظ ابراہیم ولی اسماعیل (نیازی لینڈ)

(سائل نے لکھا تھا کہ خطبہ عربی میں ہوتا ہے جب کہ عربی کوئی سمجھتا نہیں اور دریافت کیا تھا۔ کیا کسی دوسری زبان میں خطبہ دینا شرعاً ممنوع ہے؟ کیا اردو میں خطبہ نہیں دیا جاسکتا جب کہ اردو افریقہ میں تمام مسلمان سمجھتے ہیں؟ ۲۶ر مارچ ۵۶ء)

آنحضرت خطبہ اس زبان میں دیتے تھے جو زبان ان کی اور ان کے سامعین کی تھی اس لیے عربی خطبہ کو آج کل پڑھنا اس کے مقصد کو فوت کر دینا ہے۔ خطبہ ایسی زبان میں ہونا چاہیے جس کو حاضرین سمجھ سکیں۔ اگر اردو سمجھتے ہیں تو بہتر ہے کہ خطیب اردو میں تقریر کرے۔

میں نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلا خطبہ اردو میں دیتا تھا اور خطبہ ثانیہ عربی میں۔

عبدالمجید (حسن آباد، راولپنڈی)

(مستفتی نے مولانا سے رفع یدین کے مسئلے پر از روئے شریعت مفصل اور مدلل روشنی ڈالنے کی درخواست کی تھی۔ ۹ر جون ۵۵ء)

مقامی علمائے سے دریافت کیجیے۔

محمد تقی

(مولانا سے یہ دریافت کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہیے یا نہیں؟)

اس میں صحیح مسلک یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن نمازوں میں قرائت جہری ہے ان میں خاموش رہے لیکن جن نمازوں میں سرّی ہے اس میں مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنی چاہیے چونکہ سماعت بھی بمنزلہ قرائت ہے اور نماز بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ہوتی۔

عبدالجلیل (پلسنہ ضلع سورت)

(آمین بالجہر سے روکنے پر ایک نزاع کے رفع کے لیے اس مسئلے میں مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۲۹ رمئی ۵۷ء)

آپ کا خط مولانا کو ملا۔ احادیث سے آمین کا آہستہ کہنا اور پکار کر کہنا دونوں باتیں ثابت ہیں۔ صحابہؓ اور تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت آمین پکار کر کہتی تھی اور اسے مسنون سمجھتی تھی اگر جماعت کے کچھ لوگ آمین پکار کر کہتے ہیں تو انہیں ایسا کرنے کا پورا حق ہے۔ کیونکہ ایک مسنون عمل کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس سے دوسروں کی نماز میں خلل پڑتا ہے۔ بالکل غلط اور جاہلانہ خیال ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت میں ہے کہ آمین زور سے بولی جاتی تھی "حتی یرنج بہ المسجد" یعنی مسجد گونج جاتی تھی۔ لوگوں کو چاہیے کہ اس سوال پر ایک دوسرے کی مخالفت نہ کریں۔ جو مقتدی آمین آہستہ بولتا ہے اسے آہستہ بولنے دیں جو پکار کر بولتا ہے اسے پکار کر بولنے دیں۔

وائل بن حجر کی روایت میں "خفض بہ صوتہ" ہے اور دوسری روایت میں "رفع بہ صوتہ"

ابو مسعود قمر بنارسی (چندوسی۔ ضلع بنارس)

(مرادآباد کے اہل حدیث اور احناف میں بعض مسائل کے متعلق اختلاف کی وجہ سے نزاع پیدا ہوگیا تھا۔ قمر بنارسی نے مولانا کو حالات سے مطلع کیا تھا اور رفع نزاع کے لیے مولانا سے مشورہ مانگا تھا۔ مسائل متنازع فیہم کی طرف مولانا کے جواب میں اشارہ موجود ہے۔ ۵ر نومبر ۵۲ء)

مولانا حفظ الرحمٰن کو آپ کا خط بھیج کر گفتگو کی جا رہی ہے۔ مولانا کہتے ہیں کہ اگرچہ مولوی حفظ الرحمٰن اور دیگر ارکان جمعیۃ العلما حنفی المسلک ہیں اور دیوبندی ہیں وہ اپنے تشدد میں دوسروں سے کم نہیں لیکن اس میں شبہ نہیں کہ وہ ایک لکھے

لیے پسند نہ کریں گے کہ اہل حدیث سے نزاع وجدال رکھیں یا انہیں مساجد سے رد کیں۔ شرک، بدع و رسوم کی مخالفت میں بہر حال وہ اہلحدیث سے قریب ہیں اس لیے یہ اندیشہ نہیں کیا جاسکتا کہ ان سے دانستہ کوتاہی ہوئی ہوگی۔

مولانا کا مقصد یہ ہے کہ جھگڑے ۳۰، ۴۰ برس سے ختم ہو گئے تھے اب ان کا سر اٹھانا افسوس ناک ہے۔ یہ چیز قطعی طور پر فیصل ہو جانی چاہیے کہ آمین بالجہر، رفع یدین، تورک اور تکبیرات عیدین کے بارے میں کوئی نزاع نہ ہوگا ایک مسجد میں آمین بالجہر اور آمین بالاخفا پر عمل کرنے والے دونوں نماز پڑھیں جب تک یہ سلسلہ قائم نہیں کر دیا جائے فتنہ انگیزی کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ یہ عدالت کے فیصلے سے نہیں ہوسکتا یہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ علمائے احناف آگے بڑھیں اور قول وعمل سے اس کی تائید کریں

وزیر بیگ (راولپنڈی۔ پاکستان)

(سوال یہ تھا کہ روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں

۱۰ رمئی ۵۲ء)

بیماری کی حالت میں شریعت نے رخصت دی ہے کہ روزہ نہ رکھا جائے اور پھر قضا کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ انجکشن مرض ہی کی حالت میں دیا جاتا ہے۔ اگر ایک شخص روزے سے ہے اور ڈاکٹر اس کی صحت کے لیے ضروری سمجھے کہ انجکشن دیا جائے تو انجکشن لے سکتا ہے اور پھر اسے قضا نہ کرنا چاہیے۔

محمد الدین (واہ کینٹ۔ پاکستان)

(رمضان میں روزے کی حالت میں انجکشن لگوانے کے سرکاری حکم پر علماء سے استفتیٰ اور ان کے اختلاف کی صورت میں مولانا سے فتوے کی درخواست کے

جواب دیں۔ ۴ / ۵۶ء)

انجکشن لے سکتے ہیں۔ اس دن روزہ نہ رکھیں۔

احمد عبدالخالق (حیدرآباد)

(اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکہ نیز حج کے لیے جانا چاہتے تھے اور مولانا سے امداد کے طالب تھے۔ ۱۶ ر رمضان المبارک ۷۶ھ)

آپ پر حج اگر فرض نہیں ہے تو آپ کو لوگوں سے مانگ کر سفر نہیں کرنا چاہیے کسی مسلمان کے لیے یہ مناسب بات نہیں ہے کہ دوسروں کی جیب پر بار ڈال کر اور سوال کرکے مکہ یا مدینہ کا سفر کرے اگر آپ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا جذبہ ابھرا ہے تو اس کے لیے مدینہ جانا ضروری نہیں آپ اپنے وطن میں رہ کر علم دین کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

شوکت علی (موضع شیر گڑھ ضلع الہ آباد)

(نظام زکوٰۃ اور بیت المال کے قیام کے سلسلے میں مولانا سے مشورہ طلب کیا تھا۔ ۱۹ ر اکتوبر ۵۶ء)

دکن تعلیمات ہند
نئی دہلی

جناب من!

آپ کا خط ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ آپ اس طرح بیت المال قائم کر سکتے ہیں کہ جو لوگ اس مقصد سے اتفاق کریں وہ اپنی زکوٰۃ کی رقم الگ الگ خرچ کرنے کی بجائے ایک جگہ جمع کریں اور باہمی مشورے سے وہ ان مصارف میں خرچ ہو جو شریعت نے قرار دے دیے ہیں۔ نادار طلبہ کی اعانت بھی اس سے کی جا سکتی ہے[1]

راقم
محمد اجمل خاں سیکرٹری
مولانا ابوالکلام آزاد

سیّد ارشاد علی (اوچ شریف، بہاولپور، پاکستان)

(ارشاد علی صاحب نے لکھا تھا کہ وہ اپنی زکوٰۃ کا خود حساب کرکے جماعت اسلامی

---

[1] مکتوب الیہ کی عنایت سے اس خط کی مکمل نقل دستیاب ہوگئی۔

پاکستان کو دے دیتے ہیں جماعت اسے قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرتی ہے۔ موصوف نے معلوم کیا تھا کہ کیا زکوۃ کی ادائیگی کا یہ طریقہ درست ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ حکومت کی طرف سے اس قسم کا کوئی انتظام بھی نہ ہو۔

۱۸ دسمبر ۵۶ء)

طریقہ ٹھیک ہے۔

مسعود الزمان (باندا۔یوپی)

(مکتوب الیہ قانون ساز اسمبلی یوپی کے ممبر تھے اور زکوۃ سے متعلق ایک بل اسمبلی میں پیش کرنا چاہتے تھے۔اس کا مسودہ مولانا کی خدمت میں رائے معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا۔

مکتوب مورخہ ۲۱ جولائی ۴۹ء)

آپ نے زکوۃ کے اجرا و انضباط کے لیے ایک بل کا مسودہ جو مولانا کو بھیجا ہے وہ وصول ہو چکا ہے۔ ترجمہ جو آپ نے بھیجا تھا وہ بھی مل گیا ہے۔ اخبارات سے آپ کو معلوم ہوا ہو گا کہ وہ ابھی تک تندرست نہیں ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے پورا وقت کام کے لیے نہیں نکال سکتے۔ ان شاء اللہ عنقریب وہ وقت نکال کر آپ کا مسودہ دیکھیں گے اور اس بارے میں جو کچھ مشورہ ضروری تصور فرمائیں گے آپ کو لکھیں گے۔ مطمئن رہیے۔

اجمل

نکاح وطلاق

- ☆ توام متحد الجسم کا نکاح
- ☆ لونڈیوں سے نکاح
- ☆ بیوی کی پچھلی اولاد سے نکاح
- ☆ رضاعی بہن کی بہن سے نکاح
- ☆ عدالت کا فیصلہ تنسیخِ نکاح
- ☆ طلاق مرتان
- ☆ طلاق مکرہ

محمد ایوب (ہارون آباد، ریاست بہاولپور)

(ایسی توام لڑکیوں کے ایک شخص سے نکاح کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا کہ جن کے جسم کندھے، پہلو اور کولہے کی ہڈی تک ایسے جڑے تھے کہ انہیں علیحدہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور کاٹنے کے بعد وہ زندہ نہ رہ سکتی تھیں انہیں بھوک پیاس، دکھ درد اور دیگر تمام حوائج وعوارض ایک ساتھ لاحق ہوتے تھے حتیٰ کہ جذبات واحساسات میں بھی دونوں متحد اور ہم ذوق ومزاج تھیں۔)

۲۰/ اپریل ۱۹۵۵ء

یہ تو ایک عجیب اور غیر معمولی صورت پیدا ہوگئی چونکہ متحد الجسم ہیں اس لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں کہ ایک مرد کے نکاح میں دی جائیں۔ ڈاکٹروں سے مشورہ کیا جائے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ دونوں میں سے ایک کو بانجھ کر دیا جائے۔

افتخار احمد بلخی

(بلخی صاحب نے ترجمان القرآن میں سورۂ مومنوں کی آیت "والذین ہم لفروجہم حافظون الا علی ازواجہم او ماملکت ایمانہم" کے ترجمے اور تفسیری نوٹ سے عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا)

نئی دہلی

۲۵/ ستمبر، ۱۹۴۶ء

مکرمی، تسلیم

عرب میں اس وقت دو طرح کی عورتیں تھیں (۱) حرائر ومحصنات (۲) لونڈیاں۔ لونڈیوں کی حیثیت کو قرآن نے ہر جگہ "تملیک ید" سے ظاہر کیا ہے۔ چوں کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ذلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے قرآن نے زور دیا کہ جس طرح مسلمان شریف زادیوں سے نکاح کر سکتے ہیں اسی طرح ان سے بھی نکاح کر سکتے ہیں جو "تملیک ید" کے ذریعے غلامی میں آچکی ہیں۔

میرے ناچیز فہم میں قرآن کی یہی تفسیر عام مسلک کے مطابق معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر آپ کسی دوسرے مسلک پر مطمئن ہیں۔ تو آپ وہی مسلک پیش نظر رکھیں۔

راقم

محمد اجمل خاں

منجانب (ابوالکلام آزاد)

محمد نعیم (رانچی)

او ماملکت ایمانکم کی تفسیر میں مولانا نے لکھا تھا کہ لونڈیوں سے بغیر نکاح وطی ناجائز ہے۔ مکتوب الیہ نے سورۂ مومنوں کی آیت "الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم[1]" سے بغیر نکاح کے لونڈیوں سے وطی کے جواز پر استدلال کیا تھا اور مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۴ راگست)

مختلف موقعوں پر مختلف نوعیت کی تصریحات ہیں۔ لڑائی کے قیدیوں کی نسبت عام رواج یہ تھا کہ وہ لونڈی غلام بنا لیے جاتے تھے۔ اسلام نے ابتدا میں رحم و شفقت کے احکام دے کر اس رسم کے شدائد کو کم کیا اور پھر سورۂ محمد کی آیت فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً " نازل کرکے اس رسم کو بھی بند کر دیا البتہ اس سے پہلے جو لونڈیاں لوگوں کے تصرف میں آچکی تھیں ان کے تعلق کو باطل نہیں کیا۔ سورۂ مومنوں میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ابوالکلام[2]

مولوی غلام سرور (فورٹ سنڈیمن، بلوچستان)

(مستفسر نے تحریر فرمایا تھا کہ

"وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بہن" الآیہ کی تفسیر میں جناب نے واضح فرمایا کہ "تمہاری بیویوں کی (پچھلی) اولاد جو تمہاری گودوں میں پرورش پاتی ہیں (یعنی اگر چہ تمہاری نسل سے نہیں ہیں لیکن جب ان کی ماؤں سے تم نے نکاح کر لیا تو ان کی سابقہ اولاد بھی تمہاری ہی اولاد جیسی ہوگئی) البتہ یہ ضروری ہے کہ (عقد نکاح کے بعد) زناشوئی کا تعلق بھی ہو گیا ہو اگر ایسا نہ ہوا ہو تو پھر ان کی لڑکیوں سے

---

[1] سورہ مومنون کی آیت نمبر ۶

[2] منقول از آجکل دہلی (ابوالکلام آزاد نمبر)

نکاح کر لینے میں کوئی پکڑ نہیں" یہ تو بزبان اللہ جل شانہ جناب نے واضح فرمایا کہ کوئی مرد مندرجہ بالا رشتہ از روئے قرآن حکیم نہیں کر سکتا لیکن اگر صرف زنا ہوا ہو نکاح نہ ہو تو وہ کس حکم میں آئے گا؟ آیا زنا سے نکاح لازم ہو گیا یا غیر شرع فعل ہونے کے باعث صرف گناہ اور محض گناہ ہی رہا؟ ۲۷ر نومبر ۵۲ء)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی
۶ر دسمبر سنہ ۱۹۵۲ء

جناب من۔ السلام علیکم

آپ نے جو سوالات "وربائبکم التی فی حجورکم" کے سلسلے میں بھیجے ہیں وہ واضح نہیں ہیں۔ بہر حال اگر آپ کا مقصد یہ ہے کہ کسی ایسی لڑکی سے نکاح کیا گیا تو وہ نکاح باطل ہے وہ زنا سمجھا جائے گا بلکہ اس سے بھی اشد۔ (۲)

راقم
محمد اجمل خاں
پرائیویٹ سکریٹری (مولانا ابوالکلام آزاد)

خواجہ معین الدین عرف مقبول جانی (حیدر آباد دکن)

(مکتوب الیہ نے رضاعی بہن کی بہن کے ساتھ نکاح کے جواز و عدم جواز کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا تھا۔ ۳ر ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ)

جائز ہے۔

عبدالعزیز منڈل (چھوٹا شجاع پور، تحصیل مالدہ، مغربی بنگال)

(ایک خاتون کے خاوند تقسیم ملک کے بعد پاکستان آ گئے تھے پانچ سال تک انہوں نے بیوی کی خبر نہیں لی پھر نہ اسے پاکستان لانے پر آمادہ ہوئے نہ اسے طلاق دیتے تھے مجبوراً انہیں عدالت کے ذریعے نوٹس دیا گیا انہوں نے اس کا بھی کوئی

---

(۱) مکتوب الیہ کی عنایت سے اس خط کی نقل دستیاب ہوئی۔

(۲) جہاں تک میں سمجھا ہوں مستفسر کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی عورت سے ناجائز تعلق ہو تو اس کی اولاد کے بارے میں کیا حکم ہوگا یعنی کیا وہ بھی شرعاً مثل حقیقی اولاد کے سمجھی جائے گی؟ حضرت مولانا نے اس کے برعکس مفہوم سمجھا ممکن ہے مستفسر کا مفہوم یہی ہو بہر حال مولانا کا جواب عبارت کے اس مفہوم کا ہے جو خود مولانا نے جواب میں متعین کر دیا ہے۔

جواب نہیں دیا۔ بالآخر عدالت نے دونوں میں تفریق کرادی اس پر یہ اعتراض کیا گیا کہ طلاق کے معاملے میں غیر مسلم عدالت کے فیصلے کا نفاذ نہیں ہوسکتا اس سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی کے ایک فتوے کی نظیر بھی پیش کی گئی تھی مولانا کا جواب درج ذیل ہے۔ ۲۵ر دسمبر ۵۲ء)

مولانا فرماتے ہیں۔

"عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے وہ شریعت کے مطابق کیا ہے وہ نافذ ہوگیا۔ لڑکی عدت کاٹ کر دوسرا نکاح کرسکتی ہے۔"

محمد عاشق الٰہی (رانچی)

(ایک لڑکی جس کے خاوند کو جذام کا شدید مرض لاحق تھا، عدالت نے اس کی درخواستِ خلع ڈاکٹری رپورٹ کے بعد قبول کرلی تھی اور اس کا نکاح فسخ کردیا تھا۔ اس فیصلے کے بارے میں مسلمانوں میں نزاع پیدا ہوگیا تو مولانا کی رائے بھی معلوم کی گئی۔ ۲۵ستمبر ۵۲ء)

جو صورت آپ نے بیان کی ہے کہ ڈاکٹر کی تصدیق پر عدالت نے تفریق کا فیصلہ کیا۔ یہ ٹھیک ہے اور قابل عمل ہے۔

عبدالرؤف اختر (بمبئی)

(ایک صاحب نے کسی غلط فہمی کی بنا پر پہلے تو بیوی کو طلاق دے دی پھر غلط فہمی دور ہوگئی تو رجوع پر آمادہ ہوئے۔ مولانا نے اس سلسلے میں استفسار کا مندرجہ ذیل جواب دیا۔ ۸ر اکتوبر ۵۴ء)

اگر ایک طلاق دی ہے تو رجوع کرسکتا ہے اگر دو طلاقیں دی ہیں تو نکاح کر سکتا ہے ہاں اگر تیسری طلاق تیسرے مہینے دی گئی ہو تب حلالہ کی ضرورت ہے۔

محمد قربان علی (موضع شمس پور، ضلع گیا)

(مولانا سے دریافت کیا تھا کہ ایک شخص نے نشے کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک رقعہ میں تین طلاق لکھ بھیجی آیا یہ طلاق واقع ہوگئی؟ ۱۱ر نومبر ۱۹۵۵ء)

اس مسئلے میں اختلاف ہے۔ مولانا کے نزدیک ایک طلاق ہوئی کیونکہ ایک مجلس میں اور ایک مرتبہ شرعاً صرف ایک ہی طلاق دی جاسکتی ہے اور اس

لیے اس صورت میں رجوع کیا جا سکتا ہے۔

نام معلوم ۱؎

(ایک شخص نے اپنی بیوی کو تحریری طور پر طلاق دی تھی اور یہ جملہ تین مرتبہ لکھا تھا "تم نے طلاق دیا رفیق کی لڑکی صغرا کو" اس سلسلے میں مولانا نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا کہ:

"طلاق تحریری بھی واقع ہو جاتی ہے مگر ایک مرتبہ میں ایک سے زیادہ طلاق نہیں دی جا سکتی اس لیے ایک واقع ہو گئی اگر مدت گزر چکی ہو تو وہ دوبارہ نکاح کر سکتا ہے"۔ ۱؎

مستفتی نے پھر لکھا کہ یہاں کے علما اس جواب سے مطمئن نہیں۔ از راہِ کرم مطلع کیجیے کہ آپ نے یہ سوال کس مسلک کے مطابق دیا ہے؟ مولانا نے اجمل خان سے یہ جواب لکھوایا۔)

اس طرح کے معاملات میں اس کے سوا چارہ نہیں کہ جہاں یہ معاملہ پیش آیا ہے وہاں کے علماء سے پوچھا جائے اور جو وہ جواب دیں، عمل کیا جائے۔ مولانا نے جو کچھ لکھا وہ انہوں نے قرآنی حکم کی بنا پر لکھا کہ "الطلاق مرّتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" مرتان کے معنی دو مرتبہ کے ہیں نہ کہ ایک مرتبہ کے۔ لیکن بہر حال اس بارے میں فقہا کی رایوں میں اختلاف ہوا اور اس لیے آپ مقامی علما سے دریافت کیجیے اور جو حکم وہ دیں اس پر عمل کیجیے۔

محمود عالم (رانچی۔ بہار)

ایک صاحب نے اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاقیں دی تھیں لیکن وہ کبھی ایک طلاق قبول لیتے تھے کبھی دو کا اعتراف کرتے تھے اس کے بعد بھی بیوی کو بغیر حالا گھر میں رکھے ہوئے تھے اس صورتِ واقعہ میں مولانا سے شریعت کا فیصلہ معلوم کیا تھا۔

(۲۸ر فروری ۵۵ء)

اس طرح کے معاملے میں اس وقت تک کوئی بات نہیں کہی جا سکتی جب تک قضا کا معاملہ طے نہ ہو اور عدالت تفتیش کے بعد فیصلہ نہ کر دے۔ ایسی حالت

۱؎ مولانا کے سابقہ جواب کے یہ الفاظ مستفتی کے خط سے نقل کیے گئے ہیں ممکن ہے یہ مولانا کے اصل الفاظ نہ ہوں مولانا کی تحریر کا مفہوم اور خلاصہ ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ نقل در نقل میں کوئی لفظ ادھر ادھر ہو گیا ہو یا بدل گیا ہو

ہیں ممکن نہیں کہ مولانا اس پر کوئی فیصلہ دے سکیں اگر تین طلاقیں ایک مجلس میں اور ایک مرتبہ میں دی ہیں تو ان کا حکم ایک ہی طلاق کا ہوگا وہ تین طلاقیں نہیں۔

"الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" یعنی تین طلاقیں تین مہینوں میں ایک کے بعد ایک ہونی چاہئیں ایک مرتبہ میں اگر ایک شخص کہہ دے کہ میں نے تین طلاقیں دیں تو تین طلاقیں واقع نہیں ہوں گی ایک ہی طلاق ہوگی۔

عبدالحلیم (کراچی)

(طلاق مکرہ اور اس سلسلے میں فتح القدیر کی ایک روایت کی صحت کے بارے میں مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۱۹ر اپریل ۵۴ء)

صحیح مسلک یہی معلوم ہوتا ہے کہ طلاق مکرہ نافذ نہیں ہوتی۔ امام مالک کو اس سلسلے میں جو ابتلا پیش آئی تھی وہ معلوم ہے۔

اس وقت فرصت نہیں کہ فتح القدیر کی طرف رجوع کروں اگر یہ روایت متن کی ہے یعنی ہدایہ کی ہے تو نصب الرایہ میں اس کی سند ڈھونڈھیے نصب الرایہ اور درایہ دونوں چھپ گئی ہیں۔

قرآن و حدیث

☆ قرآن :

☆ حدیث :

محمد نعیم (رانچی)

(مکتوب الیہ نے قرآن حکیم کے معنی سمجھے بغیر تراویح میں پڑھے جانے کی افادیت میں شبہے کا اظہار کیا تھا اور اسے بیکار مشقت اٹھانے سے تعبیر کیا تھا۔ مولانا نے اس کا یہ جواب دیا۔

۲۲رمئی ۱۹۵۵ء)

مولانا فرماتے ہیں

تراویح میں قرآن پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن حفظ کرنے کا شوق ہوتا ہے اور اس طرح قرآن کی حفاظت ہوتی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ قرآن کو معانی کے ساتھ پڑھیں اور سمجھیں محض الفاظ کی قرآت پر قناعت نہ کریں مگر اس کا علاج یہ نہیں ہے کہ رمضان میں قرآن کی تلاوت کی مخالفت کی جائے کوشش کرنی چاہیے کہ لوگوں کو قرآن ترجمہ کے ساتھ پڑھنے کا شوق دلایا جائے۔

ایس۔ ایم کامل گوپال

(کامل صاحب نے قرآن مجید کا ایک ترجمہ بھیجا تھا اور مولانا سے معلوم کیا تھا کہ یہ ترجمہ کس کا ہے؟ نیز مطالعے کے لیے ترجمے کے انتخاب میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔)

پرائیویٹ سکریٹری وزیر تعلیم، ہند
۶رستمبر ۱۹۵۴ء

جناب من۔ تسلیم

آپ کا خط مورخہ یکم ستمبر ملا۔ حضرت مولانا کو معلوم نہیں کہ یہ ترجمہ کس کا ہے۔ قرآن مجید کے بہت سے ترجمے ہوئے ہیں۔ اپنے ذوق کے مطابق انتخاب کیجیے۔ پرانے ترجموں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ زیادہ رواج پاچکا ہے اصل واپس ہے۔ بہتر ہو کہ آپ کسی اخبار مثلاً مدینہ یا الجمعیت میں اس کا ایک صفحہ چھپوا دیں۔ اگر کسی کے علم میں ہوگا تو وہ آپ کو بتا دے گا۔

راقم
محمد اجمل خاں

ایس ایم کامل جی۔ سیوہارہ
ضلع بجنور

دولت رام گپتا (چمبہ ، پنجاب)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ صحیح اسلامی تعلیمات سے آگاہ ہونے کے لیے کون سی تفسیر پڑھی جائے؟ - ۲۵ ر مارچ ۱۹۴۰ء)

آپ کا خط پڑھ کر مولانا کو خوشی ہوئی اردو میں کئی تفسیریں شائع ہو چکی ہیں - مثلاً تفسیر حقانی اور شاہ عبدالقادرؒ کا قدیم ترجمہ اور ڈپٹی نذیر احمد کا جدید اردو ترجمہ بھی موجود ہے - تمام کتب فروشوں سے مل سکتا ہے - لیکن مولانا کے خیال میں کوئی بھی ترجمہ اور تفسیر ایسی نہیں ہے جو قرآن کے صحیح مقصد اور اسپرٹ کو واضح کر سکے - شاید اس بارے میں مولانا کا ترجمان القرآن آپ کے لیے مفید ہو سکے ، جس کی دو جلدیں چھپ چکی ہیں اور مبارک علی بک سیلرز لاہور سے مل سکتی ہیں -

اجمل

محمد یونس خان (شجاع آباد - ضلع ملتان)

(اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں بعض روایات نقل کی تھیں اور ترجمان القرآن میں مولانا کی تحقیقات کے بارے میں بعض باتوں کی وضاحت چاہی تھی - ۱۹ ر جون ۵۳ء)

مولانا فرماتے ہیں -

جو کچھ میری تحقیق تھی میں نے لکھ دی ہے - اس بارے میں جو روایتیں نقل کی جاتی ہیں - اُن کی بڑی تعداد ضعیف ہے - خود محدثین ان کی تردید کر چکے ہیں -

احمد علی شاہ (عیسیٰ خیل - ضلع میانوالی)

(مولانا سے دریافت کیا تھا کہ آپ نے ترجمان القرآن میں آذر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا لکھا ہے اس کی تصریح کہیں آپ کی نظر سے گزری ہے؟ ۲۲ ر اکتوبر ۵۹ء)

کئی مفسروں کی یہی رائے ہے - متاخرین میں جلال الدین سیوطیؒ بھی اسی طرف گئے ہیں - عربی میں چچا کے لیے باپ کا اطلاق عام ہے -

غلام محمد (سری نگر - کشمیر)

(مولانا سے دریافت کیا تھا کہ اہل کتاب کے عقائد بھی صریح شرک پر مبنی ہیں - پھر قرآن نے انہیں مشرکین میں شمار کیوں نہیں کیا اور کن وجوہ کی بنا پر شریعت نے ان کی

عورتوں سے نکاح کی اجازت دی؟ ۵ / اکتوبر ۵۵ء)

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ بھی شرک میں مبتلا ہوئے لیکن چونکہ ان کے مذاہب کی بنیاد ایک آسمانی کتاب ہے اور وہ اس کے عامل ہونے کے مدعی ہیں۔ اس لیے قرآن نے مشرکین عرب میں انہیں شامل نہیں کیا ان سے الگ رکھا اور ان کی عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے

غلام رسول (ٹنڈو اللہ یار۔ حیدر آباد پاکستان)

(سورہ الحجر کی آیت "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" (ترجمہ) اس کی بندگی میں لگے رہو یہاں تک کہ یقین تمہارے سامنے آجائے (۱۵ : ۹۹) کے بارے میں سوال کیا تھا کہ کیا اللہ کا یقین آجانے کے بعد عبادت معاف ہے؟ یا یقین کے کوئی اور معنی ہیں؟ بعض مفسرین نے یقین کے معنی موت کے لکھے ہیں۔ ۱۳/ جنوری ۵۲ء)

مرنے کے بعد بھی عبدیت یا غلامی سے تو خارج نہ ہو گا۔[1]

حکیم محمد شہود الحق (موضع رمضان پور ضلع مونگیر)

(سورہ بقرہ کی آیت ۷۳ کا ترجمہ ہے "چنانچہ ایسا ہوا کہ ہم نے حکم دیا اس (شخص) پر (جو فی الحقیقت قاتل تھا) مقتول کے بعض (اجزاءِ جسم) سے ضرب لگاؤ (جب ایسا کیا گیا تو حقیقت کھل گئی اور قاتل کی شخصیت معلوم ہو گئی) اللہ اسی طرح مُردوں کو زندگی بخشتا رہے)" اور اس سے پہلے آیات "واذ قال موسی لقومہ ..... تا فذبحوھا وما کادو یفعلون (۶۷ تا ۷۲) میں گائے ذبح کرنے کے حکم، موسیٰ سے ان کی قوم کے لوگوں کی بحث، گائے کی خصوصیات و صفات کے بارے میں حجت وغیرہ کا بیان ہے حکیم صاحب نے معلوم کیا تھا کہ پہلی آیت کا مفہوم واضح نہیں۔ قاتل کی شخصیت کیسے معلوم ہو گئی تھی اس سلسلے میں کیا صورت پیش آئی ہو گی نیز دریافت کیا تھا کہ دونوں آیتوں میں ربط سمجھ میں نہیں آیا۔ دونوں آیتوں کے مختلف مضامین میں کیا تعلق ہے)؟

---

[1] سوال میں جس الجھاؤ کو دور کرنے کی مولانا سے درخواست کی گئی تھی جواب سے یہ الجھاؤ دور نہیں ہوتا۔ میرا خیال ہے کہ اجمل خاں صاحب کی یادداشت میں جواب مکمل نہیں ہو گا۔ یا کتابت وغیرہ میں جواب کا کوئی حصہ نظر انداز ہو گیا ہے۔

حکیم صاحب کا ایک سوال سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۲ کے متعلق تھا اس کا ترجمہ ہے

"اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات نازل ہوئی تھی (جیسا کہ ان لوگوں میں مشہور ہے واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کسی کو سکھاتے تو یہ کہے بغیر نہیں سکھاتے تھے کہ دیکھو ہمارا وجود تو ایک فتنہ ہے پھر تم کیوں کفر میں مبتلا ہوتے ہو (یعنی جادوگری کی باتوں کا بُرا ہونا ایک ایسی مانی ہوئی بات ہے کہ جو لوگ اس کے سکھانے والے تھے وہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ یہ بات خدا پرستی کے خلاف ہے) لیکن اس پر بھی لوگ ان سے ایسے ایسے عمل سیکھتے جن کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالنا چاہتے"

اس آیت کے ترجمے کے سلسلے میں حکیم صاحب کا سوال یہ تھا کہ "اس سے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت لوگوں کو ایسے عمل سکھاتے تھے جن کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالی جاتی تھی، دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ عمل جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈالی جاتی تھی سحر تھا یا نہیں؟ اگر سحر تھا تو پھر یہ ترجمہ کہ "اور یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اس طرح کی کوئی بات ناز ہوئی تھی" کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟)

توارت کی بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس طرح کی رسم چلتی آتی تھی کہ مقتول کے جسم کو چھو کر مشتبہ قاتل قسم کھاتے اور اس کا یہ اثر ہوتا تھا کہ مجرم جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا تھا اور جرم کا اقرار کر لیتا تھا معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملے میں بھی وہی صورت اختیار کی گئی۔

پہلا واقعہ بالکل الگ ہے[۱]

سحر کے متعلق ایک صورت تو یہ ہے کہ لوگ سحر کو موثر سمجھ کر عمل میں لاتے ہیں یا نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ حقیقتہً سحر موثر ہے بھی یا نہیں؟

یہودی قیام بابل کے زمانے میں کتاب الٰہی کی تعلیم سے منحرف ہو کر بابل کے جادوگروں کے معتقد ہو گئے اور آگے چل کر اسے حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرنے لگے قرآن کا یہاں صرف یہ مقصد ہے کہ اس غلط نسبت سے حضرت سلیمانؑ کو

---

[۱] میں سمجھتا ہوں اس سے مولانا کا مطلب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں دو مختلف واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس لیے ضروری نہیں کہ دونوں میں ربط ہو۔

پاک ثابت کرے اس آیت سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جادو کو موثر سمجھ کر کام میں لاتے تھے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ جادو حقیقتہً موثر بھی ہے۔

گل محمد خان (فیروز پور، پنجاب)

(مکتوب الیہ نے اسلامی پردے کی حدود کے بارے میں دریافت کیا تھا کہ اس کے حدود کیا ہیں؟)

کلکتہ۔

۲/اگست ۱۹۴۲ء

جناب من!

بحوالہ خط مورخہ ۲۱/جولائی ۴۲ء تمام مفسرین اور فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ "الا ماظہر منھا" سے مقصود الوجہ والکف ہے۔ یعنی چہرہ اور ہاتھ کھلا رکھ سکتا ہے۔ پس اگر ایک مسلمان عورت ایسا لباس پہن کر جو پوری طرح ساتر ہو تو جس میں زینت کی نمائش نہ کی گئی ہو مردوں کے سامنے آئے اور منہ پر نقاب نہ ہو تو شرعاً اس طرز عمل پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ البتہ سر کھلا نہیں ہونا چاہیے یعنی بالوں کی آرائش کی نمائش نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن حکیم میں "خمار" اور "جلباب" کا ذکر ہے یعنی اوڑھنی اور چادر کا۔ منہ پر نقاب ڈالنے کا کوئی حکم نہیں ہے قرن اول میں مسلمان عورتوں کا یہی طرز عمل تھا۔ قرآن نے اس باب میں جن احکام پر زور دیا ہے وہ تمام تر لباس کی نوعیت اور زینت و آرائش کو چھپانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ منہ کو چھپانے سے نہیں۔ جب عورت مردوں کے سامنے آئے تو لباس ایسا ہو جو زینت و آرائش کو چھپاتا ہو، اس کو نمایاں نہ کرتا ہو۔ والسلام علیکم۔

ابوالکلام

اہلیہ معین الدین احمد قدوائی (رسول پور ضلع بارہ بنکی)

(بیگم قدوائی نے دریافت کیا تھا کہ قرآن میں پردے بارے میں جو احکام ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے لیے مخصوص تھے یا ہمیشہ کے لیے اور تمام عورتوں کے لیے ہیں؟ نیز یہ دریافت کیا تھا کہ اسلامی پردے کی حدود کیا ہیں؟ ۱۹/جون ۴۵ء)

سوائے ایک آیت "وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ" کے جس کا خطاب ازواج مطہرات

سے تھا اور تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں ان احکام کی بنا پر جو شرعی پردہ ہوتا ہے یہ ہے کہ جسم کو ایسے لباس سے چھپایا جائے جو جسم کی خوبصورتی کو نمایاں کرنے والا نہ ہو مثلاً ایک بڑی چادر جسم پر ڈال لی جائے لیکن چہرے اور پہنچوں کا چھپانا ضروری نہیں۔ وہ کھلے رہ سکتے ہیں اس طرح کے ساتر لباس کے پہننے کے بعد نماز کے لیے مسجد جا سکتی ہیں اور الگ عورتوں کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔

اجمل حسین قریشی (سکھر)

(سورۂ واقعہ کی ایک آیت کے متعلق جس کا ترجمہ یہ ہے "ہم نے تمہارے درمیان مقدر کر رکھا ہے اور ہمیں کوئی اس بات سے عاجز نہیں کر سکتا کہ تمہاری شکلیں تبدیل کر دیں اور تمہیں ایسے مقام پر پیدا کریں جسے تم نہیں جانتے" قریشی صاحب نے دریافت کیا تھا کہ اس میں موت کے بعد کسی دوسری شکل میں پیدائش کا بیان ہے کیا اس سے آواگون اور تناسخ کے مسئلے پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲ر جولائی ۴۹ء)

تناسخ پر اس سے کوئی استدلال نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ مرنے کے بعد کی زندگی کے منکر ہیں ان کی طرف روئے خطاب ہے کہ خدا کی قدرت اس سے عاجز نہیں ہے کہ ایک نشاۃ کے بعد دوسری نشاۃ پیدا کرے۔

دیانند شرما (دہلی)

(مکتوب الیہ نے مولانا سے دریافت کیا تھا کہ "اسلام میں بنیادی حقوق کا نظریہ کیا ہے؟ کیا یہ خدا کی بخشش ہیں یا انسانی دماغ کی کاوش کا نتیجہ ہیں؟
۱۷ر اکتوبر ۱۹۵۱ء)

جو چیز قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مساوات پر مبنی انسانی برادری "بھائی چارہ" پر عام طور سے اس میں زور دیا گیا ہے اور اس خیال کی مخالفت کی گئی ہے کہ معاشرت یا نسل کی بنا پر انسان کا کوئی گروہ دوسرے گروہ سے افضل ہو سکتا ہے۔

مساوات انسانی کا تصور فطری ہے اور خدا کی بخشش ہے۔ رہ گئی اس کے حصول کی کوشش یا عدم سعی یہ انسانی دماغ پر منحصر ہے۔ فطرت صحیحہ

اسے راستہ دکھا چکی ہے۔ اس پر چلنا نہ چلنا اس کے اختیار میں ہے۔

ابوالکلام [1]

نثار احمد صدیقی (کیرانہ۔ ضلع مظفر نگر)

(صدیقی صاحب نے لکھا تھا کہ بعض مفسرین نے سدرۃ المنتہیٰ کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ وہ بیری کا درخت ہے۔ اس کا سایہ بہت گھنا اور اس کا پھل بہت بڑا ہوگا اور اس کے سائے تلے جنتی آرام کریں گے کیا یہ اقوال صحیح ہیں اور ان کی کوئی حقیقت ہے؟

۲۰ر مارچ ۵۲ء

سدرۃ المنتہیٰ [2] سے تو مقصود ایک انتہائی محل ہے۔ ان روایتوں کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ عالم مثال میں سدرہ کی صورت ایک درخت کی شکل میں نمایاں ہوئی ہو۔ بہر حال آیت کا مفہوم عام ہے اور اسے خاص کرنا ضروری نہیں ہے اور معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کی حقیقت کا ہم ادراک نہیں کر سکتے۔

مولانا قاضی زین العابدین (میرٹھ)

(ماہنامہ فاران (کراچی) جولائی ۵۴ء میں مولانا کے ترجمان القرآن پر ایک تنقیدی مضمون شائع ہوا تھا اور اس میں ترجمے کی بعض غلطیاں بتائی گئی تھیں۔[3] قاضی صاحب ایک جوابی مضمون لکھنا چاہتے تھے اس سلسلے میں مولانا سے چند باتیں دریافت کی تھیں)

آپ کا خط مولانا کو ملا۔ ان کا طرزِ عمل تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ رد و کد میں نہیں پڑا کرتے لیکن بہر حال آپ نے اس معاملہ میں دلیری کی۔

بشارت مریم کے متعلق آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے [4]

---

[1] منقول از آج کل دہلی (ابوالکلام آزاد نمبر) [2] سورۃ النجم کی آیت ۱۴ کی طرف اشارہ ہے۔

[3] اس کے متعدد جواب اس زمانے میں ہفت روزہ چٹان، لاہور، الاعتصام، لاہور اور سہ روزہ مدینہ بجنور میں شائع ہوئے [4] سورہ آل عمران کی آیت ۴۵ کی طرف اشارہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اور پھر جب ایسا ہوا کہ فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ تجھے اپنے کلام کے ذریعے (ایک لڑکے کی) بشارت دیتا ہے" معترض کا خیال تھا کہ آیت کا ترجمہ "اللہ تجھے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے" ہونا چاہیے قاضی صاحب نے دلائل کے ساتھ مولانا کے ترجمے کی صحت پر اظہار اطمینان کیا تھا۔

"مستضعفین" کے متعلق جو اعتراض آپ نے لکھا ہے وہ بھی مولانا کے لفظ "حالانکہ" سے جملہ حالیہ بنتا ہے[۱] ظاہر ہے کہ مولانا کا ترجمہ لفظی نہیں ہے۔ مراد یہاں فی سبیل المستضعفین ہی ہے جو فی سبیل اللہ میں داخل ہیں جن کا قول "یقولون" سے شروع ہوتا ہے۔ واو عاطفہ ہے مفہوم اس طرح واضح تر ہو جاتا ہے[۲]

حکیم عبدالرحمن خلیق (امرتسر)

(تفسیر سورۂ فاتحہ کے مطالعے کے بعد مکتوب الیہ نے مولانا سے سوال کیا تھا کہ کیا مذاہب عالم میں کوئی بنیادی فرق نہیں اور کیا کسی نبی کو سلسلۂ نبوت کا جزو سمجھ لینے سے تصدیق نبوت کی شرط پوری ہو جاتی ہے۔ مکتوب مورخہ ۱۰/فروری ۴۷ء)

جو چیز اس سے نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اصل دین ایک ہے تنوع منہاج میں ہوا ہے کسی نبی کی تصدیق بغیر اس کے تمام اوامر و احکام کی تصدیق و تعمیل کے نہیں ہو سکتی۔

ابوالکلام

ڈاکٹر برکت علی قریشی (پروفیسر برلن یونیورسٹی)

(مکتوب الیہ "اللہ الصمد" کے عام مروجہ ترجمے سے مطمئن نہیں تھے ان کے نزدیک غیر منقسم (ٹھوس) ترجمہ صحیح تھا۔ اس سلسلے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی نیز قرآن سے ماخوذ سیرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا تھا جس کا ذکر مولانا نے تذکرے میں کیا ہے۔ ۱۶/جنوری ۵۷ء)

نئی دہلی

۲۸/فروری ۵۷ء

برادرم محترم! تسلیم

مولانا فرماتے ہیں کہ صمد کے جو معنی عام طور پر بیان کیے گئے ہیں، وہ غلط نہیں اور عربی لغت میں وہی معنی سمجھے گئے۔ لیکن بہر حال اس میں مختلف پہلوؤں کی گنجائش ہے

---

[۱] دوسرا اعتراض سورہ نساء کی آیت ۷۵ کے ترجمے پر تھا مولانا کا ترجمہ یہ ہے "اور مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں جنگ نہیں کرتے حالانکہ کتنے ہی بے بس مرد اور عورتیں اور بچے ہیں جو (ظالموں کے ظلم و تشدد سے عاجز آکر) فریاد کر رہے ہیں" معترض کا خیال تھا ترجمہ میں جملہ حالیہ ہونا چاہیے۔

[۲] یعنی فی سبیل اللہ اور مستضعفین کے درمیان میں آیت کا ٹکڑا یہ ہے "ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ

آپ کے سامنے جو پہلو آیا ہے وہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا وہ مفہوم اختیار کرنے میں نقص یہ ہے کہ ٹھوس کے معنی عدم انقسام کے نہیں ہوتے۔ ایک ٹھوس چیز کے مختلف ٹکڑے کیے جا سکتے ہیں اور کیے جاتے ہیں۔ اس لیے جو مقصد آپ کا ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔

سیرت کا مسودہ ضائع ہو گیا۔ وہ نہیں ہے۔

نامعلوم

(تعاونوا علی البر والتقوی کا حکم عام ہے یا مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے؟)

تعاونوا علی البر والتقوی کا حکم عام ہے ہر شخص کے ساتھ نیک کام میں اشتراک وتعاون کیا جا سکتا ہے اس میں مسلم کی خصوصیت نہیں۔

محمد اویس ندوی نگرامی (نگرام، ضلع لکھنو)

(نگرامی صاحب نے مولانا کو اپنی تالیف "التفسیر القیم" بھیجی تھی اور تفسیر ابن تیمیہؒ کی ترتیب کے عزم کا اظہار کیا تھا۔ ۲ رجون ۱۹۵۲ء)

جناب محترم! تسلیم

مولانا کو کتاب مل گئی۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ نے یہ بہت اچھا کام کیا کہ تمام بکھرے ہوئے ٹکڑے ایک کتاب کی شکل میں جمع کر دیئے۔ ابن تیمیہؒ کی کتابوں میں کافی مواد تفسیر کا موجود ہے۔ بہتر ہوگا اسے بھی آپ جمع کریں۔

آپ نے ابن قیمؒ کی اقسام القرآن کو اس میں لیا ہے یا نہیں، غالباً اس لیے آپ نے چھوڑ دیا ہوگا کہ وہ پوری کتاب چھپ گئی ہے۔ لیکن تکمیل موضوع کے لیے مناسب تھا کہ اسے بھی ملحق کر دیا جاتا۔ وہ عرصہ ہوا مکہ معظمہ میں چھپی تھی۔

محمد اجمل خان

عطاء اللہ پالوی (کریم چک چھپرہ ضلع سارن)

(پالوی صاحب نے اپنی کتاب "رسالہ بصیرت" مولانا کو بھیجی تھی اور ان کی رائے معلوم کی تھی۔ ۱۲ر جنوری ۵۵ء)

یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس بارے میں کوئی بات چند سطروں میں لکھی

جائے۔ تفصیلات میں جانے کی انہیں فرصت نہیں ترجمان القرآن شائع ہو چکی ہے اس کے مطالعے سے ان کا نقطۂ خیال معلوم کیا جا سکتا ہے۔

راقم

محمد اجمل خان

بشیر علی خاں

(حدیث "لا تسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ" کی صحت و مفہوم کے بارے میں مولانا سے سوال کیا تھا)

۲۰ نومبر ۱۹۵۴ء

یہ حدیث ضعیف ہے نیز اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زمانہ خدا ہے بلکہ یہ ہے کہ زمانے میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی مشیت سے ہوتا ہے لہذا اسے برا نہ کہو۔

سید معین الدین پیر چشتی نظامی (ادیونی - صوبہ آندھرا)

(اثبات و عدم ایمان ابوین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت روایات کے متعلق مولانا کی رائے دریافت کی تھی نیز اس شخص کے بارے میں فتویٰ پوچھا تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء واجداد کے مشرک ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو ۲۹/ نومبر ۵۴ء)

اس بارے میں علما کی رائیں مختلف ہیں، فقہ اکبر جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے اس میں لکھا ہے "ماتا علی الکفر" ملا علی قاری نے اس کی شرح میں اس کی تائید کی ہے لیکن جلال الدین سیوطی نے اثبات ایمان میں کئی رسالے لکھے ہیں۔

صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ آنحضرتؐ کے ظہور سے پہلے اور کوئی نبی عرب میں مبعوث نہیں ہوا تھا اس لیے "فطرت" کی حالت تھی اور خدا ترس صالح آدمی دین ابراہیمی پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کے والدین کی نسبت ایسا سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھے۔

بہرحال اس مسئلے میں جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمانوں سے قیامت کے

دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اس بارے میں ان کا اعتقاد کیا ہے۔ اس بات کو اللہ کے حوالے کر دینا چاہیے اور کاوش نہیں کرنی چاہیے۔

بیدی بخشیش سنگھ کے نام

(مکتوب الیہ نے اس روایت کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر اپنی والدہ ماجدہ کے لیے دعائے مغفرت کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ) "نبی اور دوسرے مومنوں کے لیے یہ امر روا نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے مغفرت کی دعا کریں۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا کہ میں آمنہ سے اسی طرح بیزار ہوں جیسے ابراہیمؑ آذر سے بیزار تھے")

پرائیویٹ سکریٹری وزیر تعلیم ہند
۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۳ رنومبر ۱۹۵۵ء

جناب من۔ تسلیم

آپ کا خط بلا تاریخ ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جو روایت آپ نے لکھی ہے وہ روایت ضعیف ہے اس کے خلاف دوسری روایتیں بھی ملتی ہیں اس لئے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

راقم
محمد اجمل خاں

بیدی بخشیش سنگھ
وارڈ نمبر ۵، پٹی۔ ضلع امرتسر [۱]

نامعلوم

(کسی صاحب نے عورت کو پارلیمنٹ کا ممبر بنانے کے جواز وعدم جواز کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی اور ایک حدیث بھی نقل کی تھی جس میں عورت کو حکمران بنانے پر وعید آئی ہے)

آپ نے لکھا ہے کہ "لما بلغ النبی صلعم ان فارس ملکوا ابنۃ کسری قال لن یفلح

---

[۱] مکتوب الیہ کے نام مولانا کا ایک خط حصہ دوم میں بھی ہے۔

قوم ولوا امرھم امراۃ (رواہ البخاری)

سوال اس بارے میں یہ نہیں ہے کہ عورتوں کو حکمران بنانا کوئی خاص فضیلت کی بات ہے بحث صرف اس میں ہے کہ جو طریقے جمہوری نظام حکومت کے اب بن گئے ہیں اور جن کی رو سے لوگوں کو اپنے نمائندے چننے کا حق دیا گیا ہے وہ حق صرف مردوں کے لیے مخصوص کیا جائے یا اس میں عورتیں بھی شریک ہوسکتی ہیں۔

اسلام نے دوسرے مذاہب کی طرح عورت کی حیثیت مرد کے سائے میں نہیں رکھی بلکہ اسے مستقل حیثیت دی ہے اگر اسلامی احکام کی رو سے عورت اپنا الگ کاروبار کرسکتی ہے اور الگ جائیداد پیدا کرسکتی ہے تو اپنے شوہر، باپ، بھائی سے الگ پارلیمنٹ میں کیوں نہیں رائے دے سکتی ؟

نامعلوم

(جمعیۃ علمائے ہند کے انگریزی اخبار "میسیج" میں اسلام کی حمایت میں ایک جرمن نومسلم کا ایک مضمون نقل کیا گیا تھا۔ مضمون نگار نے اس میں لکھا تھا کہ اسلام نے شراب حرام قرار دے کر نوع انسانی کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔ مضمون نگار نے یہ بھی لکھا تھا کہ "وہ حدیث قابل اعتماد نہیں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نبیذ پیش کی گئی تو آپ نے فرمایا اس میں پانی اور ملاو"

بعض مسلمانوں نے اس بیان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین خیال کیا۔ اس سلسلے میں مولانا سے دریافت کیا گیا کہ آیا واقعی مضمون نگار کے اس بیان سے آنحضرت صلعم (فداہ ابی وامی) کی توہین کا پہلو نکلتا ہے؟ نیز دریافت کیا تھا کہ "نبیذ" کی حقیقت کیا ہے؟)

میں نہیں خیال کرتا کہ کوئی آدمی جسے دیانتداری کا ذرا بھی پاس اور لحاظ ہو اس مضمون سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی گئی ہے۔

مضمون نگار ایک یورپین نومسلم ہے اس نے جو کچھ لکھا وہ قابل تحسین ہے اس سے زیادہ کی توقع ہم اس سے نہیں کرسکتے۔ عربی میں "نبیذ" ایسے مشروب

کو کہتے ہیں جس میں مٹھاس کے لیے کشمش یا کھجور ملادی گئی ہو۔ اس زمانے میں شکر نہیں تھی۔ اس لیے مٹھاس کے لیے شہد، کھجور یا کشمش کام میں لاتے تھے۔ مکہ معظمہ کے کنوئیں "زمزم" کا پانی کسی قدر کھارا ہے۔ اس لیے اس کا کھاراپن دور کرنے کے لیے لوگ کھجور یا کشمش اس میں ڈال دیا کرتے تھے۔

اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ کھجور ملایا ہوا پانی آپ کو پیش کیا گیا۔ پانی کی مقدار کم تھی، کھجور کے ٹکڑے زیادہ ڈالے گئے تھے۔ اس لیے مٹھاس تیز ہوگئی۔ اگر آپ اسے ہی پی لیتے تو دوسروں کے حصے میں کچھ نہ آتا۔ آپ کے خلق عظیم نے یہ گوارا نہ کیا کہ تنہا پی لیں آپ نے فرمایا اس میں اور پانی ڈالو۔ مطلب یہ تھا کہ مقدار زیادہ ہوجائے اور دوسرے لوگ بھی شریک ہوسکیں، ساتھ ہی فرمایا

"جب کبھی اس طرح کا پانی بناؤ تو بہت زیادہ میٹھا بنا کے تنہا خود ہی نہ پی لو بلکہ زیادہ پانی ڈال کر دوسروں کو بھی پلاؤ۔ پانی کا کھاراپن دور کرنے کے لیے مٹھاس کی تھوڑی سی مقدار کافی ہے۔ اسے میٹھا شربت بنانا ضروری نہیں"

اگر کشمش یا کھجور پانی میں ڈال کر زیادہ عرصے تک چھوڑ دی جائے تو اس میں جوش آجاتا ہے اور پھر اسے ایک خاص طریقے سے تیار کرکے پئیں تو وہ ایسا شربت ہوجاتا ہے کہ اگر تین چار پیالے مسلسل پیئے جائیں تو سرور کی کیفیت پیدا ہوجائے گی۔ اس دوسری قسم کے مشروب پر بھی نبیذ کا اطلاق ہوا کیونکہ کشمش اور کھجور ہی سے یہ بنائی گئی۔ ائمہ لغت نے صاف لکھ دیا ہے کہ نبیذ کا اطلاق دونوں قسموں پر ہوتا ہے لیکن روایت میں جو نبیذ کا لفظ آیا ہے اس سے مقصود پہلی قسم ہے۔ دوسری قسم نہیں ہے۔ چنانچہ محققین اصحاب حدیث نے یہ بات واضح کردی ہے۔

اس مضمون نگار نے تو روایت کو ناقابل اعتماد لکھ کر رد و کد کا دروازہ ہی بند کردیا اس نے یہ بات صاف کردی کہ اگر روایت میں نبیذ کا اطلاق وائن (WINE) پر ہوا ہے یعنی ہلکے قسم کی شراب پر تو یہ قابل اعتماد نہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دہن مبارک کسی حال میں بھی اس سے آشنا نہیں ہوسکا۔[1]

---

[1] منقول از ہفت روزہ "چٹان" لاہور ۲۰ رستمبر ۱۹۵۴ء

فقہ

- ☆ داڑھی
- ☆ اثباتِ نسب
- ☆ اسلام اور ضبطِ تولید
- ☆ اوقاف کا استعمال
- ☆ تجارت وحقِ ملکیت
- ☆ یتیم پوتا اور حقِ وراثت
- ☆ مونڈھے پر بیٹھ کر وعظ کہنا
- ☆ مسجد اور قبرستان میں عورتوں کا جانا
- ☆ امساکِ خنزیر اور وجوبِ غسل
- ☆ استعانت بغیر اللہ
- ☆ گناہ کبیرہ کے مرتکب سے ترکِ موالات
- ☆ مسئلہ رضاعت
- ☆ منصب امامت کا جماعتی اغراض کے لیے استعمال

غلام قادر راجشاہی (بنگلہ دیش)

(مکتوب الیہ کا ایک سوال تو یہ تھا کہ جس ملک کی جو زبان مادری ہو اسی زبان میں خطبہ جمعات، عیدین پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور دوسرا سوال یہ تھا کہ داڑھی کس حد تک چھوٹی کروانی جائز ہے۔ ۱۸ر اپریل ۱۹۹۵ء)

جناب من!

آپ نے خطبے کے ساتھ داڑھی کا ذکر کر دیا۔ اس لیے میں نے ایک سوال تو مولانا سے پوچھ لیا کہ خطبہ مقامی زبان میں نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے[1] لیکن دوسرے مسئلے کو نہیں پوچھا۔ میرے خیال میں یہ مسئلہ شرعی نہیں ہے بلکہ سماجی ہے یا جغرافی۔ مثلاً آپ یہ بتایئے کہ آپ کس ملک کے باشندے ہیں؟ فرض کیجیے کہ آپ چینی ہیں تو بتایئے کہ میں کیسے آپ کی داڑھی کے عدم یا وجود یا طوالت و قصر کا اندازہ کروں۔ یا اگر آپ آسامی النسل ہیں تو داڑھی کی نوعیت دوسری ہوگی۔ حبشی ہیں تو تیسری ہوگی۔ اور اگر آپ آرین یا سلیمانی ہیں تو چوتھی شکل ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ آپ کسی مقامی عالم اجتماعیت یا سوشیالوجی سے اس مسئلے کو حل کیجیے بصورت دیگر اپنا فوٹو بھیج دیجیے۔ میں اندازہ کر لوں گا کہ آپ یہ سوال اپنے لیے کر رہے ہیں یا کسی پر اعتراض کرنے کے لیے۔ اگر آپ اپنے لیے کر رہے ہیں تو یقیناً آپ بھولے انسان ہیں۔

اجمل خاں

قاضی علی نور خاں (چھیپا بڑود، ضلع کوٹہ۔ راجستھان)

(غلام نبی نامی ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ طلاق کے وقت عورت نے اعلان کر دیا کہ وہ حمل سے ہے غلام نبی اس وقت تو خاموش رہا لیکن جب عورت نے نان نفقہ کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کر دیا کہ یہ اس کا لڑکا ہے البتہ دو تین سال کے بعد اس نے اعتراف کر لیا کہ یہ لڑکا اسی کا ہے اور اس وقت تک جب کہ لڑکا بیس سال کا ہو گیا وہ اس بات کا مُقر ہے۔ اب غلام نبی کی کس بات کو صحیح تسلیم کیا جائے بیس سال پہلے ایک خاص موقع پر اس کے انکار کو یا ستره

---

[1] دوسرے سوال کا جواب اجمل خاں کی طرف سے ہے۔

اٹھارہ سال کے مسلسل اعتراف واقرار کو ؟)

۱۱ر مارچ ۱۹۵۶ء

اگر غلام بنی مقر ہے کہ یہ اس کا لڑکا ہے تو لڑکا اسی کا مانا جائے گا اصل شرع میں نسب کا اثبات ہے، انکار نہیں۔

نامعلوم

(کسی صاحب نے مولانا سے ضبط تولید کی شرعی حیثیت کے بارے میں استفسار کیا تھا اس سلسلے میں عزل کا مسئلہ بھی آگیا۔ نیز جرمنی میں ناقابل اصلاح اور لاعلاج بدکاروں کا قانو ناً میکانی طریق پر بے کار کر دینے کے متعلق دریافت کیا تھا کہ سوسائٹی کو ایسے لوگوں سے بچانے کے لیے ان تدابیر کا اختیار کرنا کہاں تک جائز ہے؟)

بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ برتھ کنٹرول کے معاملے میں شرع مداخلت کرے۔ یہ ایک خاص طبی اور اجتماعی مسئلہ ہے اگر اصحاب علم محسوس کریں کہ سوسائٹی کے مصالح کے تحفظ کے لیے اس کی ضرورت ہے، تو ضرور اس کے حق میں رائے دے سکتے ہیں۔ اس طرح کی تمام باتوں کو مصالح مرسلہ میں سمجھنا چاہیے اور ان کا دروازہ پوری طرح باز ہے۔ مذہبی اور اخلاقی نقطۂ نگاہ سے صرف یہ بات کہی گئی ہے کہ برتھ کنٹرول کے طریقے عام ہو گئے تو غیر شادی شدہ عورتوں کو جو اندیشہ ہوتا ہے، وہ جاتا رہے گا۔ لیکن یہ اعتراض چنداں وقیع نہیں معلوم ہوتا جو بگڑنے والی ہوتی ہیں وہ بگڑ جاتی ہیں۔ محض اس اندیشے کی دیوار پر اخلاقی روک قائم نہیں رہ سکتی۔ بلاشبہ ضبطِ نفس اصل آئیڈیل ہے لیکن معلوم ہے کہ وہ عملاً چل نہیں سکتا۔ کم از کم اس وقت تک کا انسانی تجربہ یہی ہے۔ ایسی حالت میں جو لوگ طبی، منزلی، خاندانی، اجتماعی اور اقتصادی مقتضیات پر زور دیتے ہیں، یقیناً ان کے دلائل کی قوت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ عزل کے متعلق دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں اور تطبیق کی صورت یہی نکالی گئی ہے۔ کہ اصل جواز ہے، بشرطیکہ کوئی ایک فریق ہی نہیں بلکہ فریقین چاہیں۔

میں ہٹلر والے معاملے میں بھی کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتا، شریعت علل واسباب کی منکر نہیں، بلکہ ان کی رعایت پر زور دیتی ہے۔ اگر ماہرینِ فن کو یقین ہو جاتے کہ فلاں مرد یا فلاں عورت لاعلاج حد تک پہنچ گئے ہیں اور اب ان سے

سوسائٹی اور نسل کو تعدیے کا یقینی اندیشہ ہے، تو یقیناً حکومت ایسا جبری انتظام کر سکتی ہے کہ تعدیہ روکے، اب اگر کوئی بے ضرر رسانی سے معطل کر دیا جا سکتا ہے اور ان کی ہستی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا تو اس کے اختیار کرنے سے کیوں مانع ہو؟ البتہ اگر دوسرے وسائل موثرہ کام میں لائے جا سکتے ہیں تو یقیناً ترجیح ان ہی کو ہوگی۔

ابوالکلام آزاد [۱]

علی جی بھائی یوسف بھائی (بورواڑ ضلع کھیڑا)

(مولانا سے یہ دریافت کیا تھا آپ مسجد کی ملکیت کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کا حق اس کے متولیوں کو ہے؟ نیز یہ کہ مسجد کا پیسہ مدرسہ وغیرہ میں خرچ کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟)

۳۰ / دسمبر ۱۹۵۲ء

کسی وقف کی آمدنی اس مقصد کے علاوہ جس مقصد کے لیے کیا گیا ہے خرچ نہیں کی جا سکتی۔ کسی متولی کے لیے جائز نہیں کہ جائداد موقوفہ کو فروخت کرے۔ ہاں اگر خود اس جائداد کی ترقی یا درستگی کے لیے روپے کی ضرورت ہو تو عدالت کی اجازت لے کر متولی [۲] ایسا کر سکتا ہے۔ عدالت کو اس بارے میں اطمینان کر لینا ہوگا کہ جو قرض لیا جاتا ہے وہ ایک مدت میں ادا ہو جائے گا اور جائداد کی حیثیت بڑھ جائے گی۔

اگر آمدنی مسجد کی ضروریات سے زیادہ ہو تو وہ مدرسہ پر خرچ کی جا سکتی ہے درا صل مساجد کا ایک استعمال مدرسہ بھی ہے۔

محمد حسین

(کیا سور کے بال کی تجارت جائز ہے؟ ۱۱ / دسمبر ۱۹۵۴)

ناجائز ہے۔

۱؎ منقول از "الحکیم" لاہور، بابت ماہ نومبر، ۱۹۳۶ء

۲؎ یعنی جائداد رہن رکھ کر قرض لے سکتا ہے۔

عبدالعلیم آسی (دربھنگہ)

(آسی صاحب نے دریافت کیا تھا کہ زید عمرو کی دکان پر کھانے کپڑے پر گذشتہ بیس برس سے ملازم تھا وہ غریب بھی تھا اور اس کی کوئی دوسری آمدنی بھی نہیں تھی لیکن اس کے انتقال پر اس کے کمرے سے ایک بڑی رقم نکلی اب عمرو مدعی ہے کہ اس رقم کا مالک وہ ہے اس لیے کہ اسے یقین ہے کہ یہ رقم زید نے اس کی دکان کی آمدنی سے نکالی ہے ورنہ اس کے پاس آمدنی کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں تھا اور زید کا لڑکا مدعی ہے کہ باپ نے ترکے میں جو کچھ چھوڑا ہے اس کا حق دار وہ ہے ان حالات میں اس رقم کا حق دار کون ہے ؟)

۱۸ / مارچ ۱۹۵۶ء

محض ادعا کافی نہیں ہے جب تک کہ ثبوت نہ ہو۔ یہ بات کہ زید غریب تھا۔ اس کے لیے کافی نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ حقیقی اصلیت کیا تھی عمرو کو ثبوت پیش کرنا چاہیے کہ زید نے دکان کی آمدنی سے یہ روپیہ جمع کیا ہے۔ اگر ثبوت نہیں دے سکتا تو شک کی بنا پر یہ رقم عمرو کو نہیں دی جاسکتی۔

ڈاکٹر یار محمد خاں (ڈیرہ غازی خان)

۲۷ / فروری ۱۹۳۶ء

محبی فی اللہ

خط پہنچا، اللہ تعالیٰ اس محبت و اخلاص کے لیے آپ کو جزائے خیر دے فقہا نے پوتے کے محجوب الارث ہونے کی بنیاد اس امر پر رکھی ہے کہ جب تک ایک شخص زندہ ہے، وہ اپنی مقبوضات کا مالک ہے۔ اس کی جائداد ورثہ جب ہی ہوگی جب وہ انتقال کرجائے۔ زندگی میں ہبہ کرسکتا ہے۔ ارث نہیں ہے۔ اب اگر باپ کی جائداد نے ورثہ کی نوعیت اختیار ہی نہیں کی تھی اور جب وہ خود ایک چیز کا مالک نہیں ہوا، تو پھر اس کی اولاد کیونکر ملک کا دعویٰ کرسکتی ہے لیکن حق یہ ہے کہ ان کی نظر صرف ایک علت کی طرف گئی اور تمام علل و اصول جو اس باب میں ثابت و مسلّم ہیں نظر انداز کردیے گئے۔ صحیح یہی ہے کہ محجوب کی اولاد کو بھی ورثہ ملنا چاہیے۔

جواب کے لیے ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی۔ جواب دینا اخلاقی فرائض میں داخل ہے۔ آئندہ اس سے احتراز کیجیے۔ ٹکٹ واپس مرسل ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

ابوالکلام[1]

طفیل محمد (جھاڑ پور)

(کیا مونڈھے پر بیٹھ کر وعظ کہنا بدعت ہے؟)

مونڈھے پر بیٹھ کے وعظ کہنا جائز ہے۔

یوسف انصاری (مشیر آباد۔ سکندر آباد۔ دکن)

(مولانا سے کئی سوالات کئے تھے ان میں مولانا نے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات دیئے۔

(۱) خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کی میت کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا مسجد کے ممبر سے تبلیغ کی جاسکتی ہے؟

(۳) کیا عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

(۴) قبرستان میں عورتوں کا جائز مناسب ہے یا نہیں؟ ۲۰ را پریل ۵۶ء)

(۱) جائز ہے

(۲) ہاں

(۳) واجب ہے

(۴) نہیں

محمد قاسم (بلم کنڈہ)

(مستفتی نے مولانا سے ۲۹ سوال کیے تھے لیکن مولانا نے ان میں سے کچھ سوالوں کے جواب دیے تھے۔ ان میں سے چند سوالوں کے جواب یہ ہیں۔ بقیہ جوابات دیگر عنوان کے تحت درج ہیں۔

(۱) کیا خنزیر (سور) کو چھونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

---

[1] منقول از ہفت روزہ "چٹان" لاہور، بابت ۱۵ / دسمبر ۱۹۵۸ء

(۲) کسی پیر و پیغمبر ولی یا کسی دیو پری سے مدد مانگنا کیسا ہے؟

(۳) کیا کسی ایسے مسلمان سے جو غیر خدا کو پوجے پیر یا ولی سے اپنی مرادیں مانگے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ اس کی امامت اور اس سے نکاح پڑھوانا جائز ہے؟

(۴) کیا گناہ کبیرہ کے مرتکب مثلاً زانی وغیرہ کو سزا دی جا سکتی ہے اور اسے جماعت سے علیحدہ کیا جا سکتا۔)

(۱) ہاتھ دھو ڈالو

(۲) غلط ہے

(۳) جائز ہے

(۴) ہاں

مولوی عبدالرحمٰن (کلکتہ)

(مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے بیوی کا دودھ پینے اور اس کے فوائد پر ایک جرمن ڈاکٹر کی تحقیق شائع کی تھی۔ اس پر کسی صاحب نے ملیح آبادی سے مسئلہ رضاعت دریافت کیا، انہوں نے فرمایا کہ بیوی کا دودھ پی لینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔ پھر انہوں نے ایک استفتا کے جواب میں یہ بات لکھ بھی دی۔ لیکن اس رائے میں وہ منفرد تھے۔ مختلف مکاتب فکر کے علمائے دین کی رائے اس کے خلاف تھی۔ مولانا ملیح آبادی نے اس واقعہ کی تفصیل "ذکر آزاد" میں بیان کی ہے اور اظہار حق کے نام سے یہ تمام فتوے مولوی عبدالرحمٰن نے مرتب کر کے چھاپ دیے ہیں۔ اس میں ایک فتوے حضرت مولانا کا بھی شامل ہے۔ مرتب نے اس فتوے کے لیے مولانا آزاد کا خاص طور پر شکریہ ادا کیا ہے اس لیے کہ بعض لوگوں کو اس کی توقع کم تھی کہ مولانا فتویٰ تحریر بھی فرما دیں گے یہ گمان لوگوں کو اس وجہ سے ہوگا کہ ملیح آبادی سے مولانا کے تعلقات بہت عزیزانہ تھے۔ حضرت مولانا کا یہ فتویٰ اوائل ۱۹۳۲ء کا لکھا ہوا ہے۔)

الحمدللہ وحدہ۔ اگر زید کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کے لیے اپنی بیوی کا دودھ پینا مطلقاً جائز ہے تو یہ صحیح نہیں۔ حکمت الٰہی نے عورت کے جسم میں دودھ اس لیے پیدا کیا ہے کہ شیر خوار بچے کی غذا کا سامان ہو۔ اس لیے نہیں پیدا کیا کہ خود باپ اس سے اپنی غذا کا کام لے۔ بچے کو بھی صرف اتنی مدت دودھ پلانا جائز ہے۔

جو رضاعت کے لیے یعنی شیر خوارگی کے لیے مقرر کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد بہ نیت تغذیہ پلانا ممنوع ہے اور یہ جو بعض آثار میں اس طرح کا معاملہ مروی ہے کہ بڑی عمر میں کسی لڑکی یا لڑکے کو کسی نے اپنا دودھ پلا دیا تو اس سے جواز پر استدلال نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے ممانعت کی مزید وجہ پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے تغذیہ کی نیت سے نہیں پلایا تھا۔ اس لیے پلایا تھا کہ سمجھتے تھے اس سے رضاعت کا رشتہ قائم ہو جائے گا۔

لیکن اگر زید کا مطلب یہ ہے کہ بلا قصد و نیت دودھ کا حلق میں داخل ہو جانا حرمتِ رضاعت کا موجب نہ ہوگا تو یہ صحیح ہے۔ کیونکہ جمہور کے نزدیک رضاعت وہی معتبر ہے جو دودھ پینے کی عمر میں ہوئی ہو۔ بڑی عمر میں دودھ کا پی لینا معتبر نہیں نیز دودھ کی مقدار کے اعتبار و عدم اعتبار کے متعلق بھی فقہاء کا اختلاف ہے

ابوالکلام

اصحاب حدیث (مالیر کوٹلہ)

(ریاست مالیر کوٹلہ (مشرقی پنجاب) میں ۱۹۴۷ء کے بعد مسلمانوں کی ایک دینی جماعت میں ایک مسجد میں منصب امامت کو ایک مخصوص سیاسی جماعت کے افکار و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنا دینے کے بارے میں ایک نزاع پیدا ہو گیا تھا۔ معاملہ عدالت تک پہنچا۔ عدالت تک پہنچا۔ عدالت سے تصفیہ و مصالحت کی راہ پیدا ہوئی اور بالآخر حکم حضرت مولانا کا بنایا گیا۔ اس معاملے میں مولانا کا فیصلہ یہ ہے یہ معاملہ ۱۹۵۴ء کا ہے اور مولانا کی یہ تحریر اگست ۱۹۵۴ء کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جماعت اہل حدیث مالیر کوٹلہ میں کچھ عرصہ سے ایک سخت نزاع پیدا ہو گیا ہے۔ نزاع نے اس قدر طول کھینچا کہ پولیس کو حفظ امن کے لیے مداخلت کرنی پڑی اور بالآخر اصلاح اور رفع نزاع کے لیے معاملہ تین ثالثوں کے سپرد کر دیا گیا جو حضرات ثالث مقرر ہوئے ہیں انہوں نے معاملے کی تفصیلات سے مجھے مطلع کیا اور لکھا کہ جماعت کے دونوں فریق چاہتے ہیں معاملہ آپ کے سامنے پیش کر دیا جائے آپ جو فیصلہ کر دیں گے اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے گی۔ میں نے انہیں لکھا کہ دونوں فریق اپنا ایک ایک معتمد نمائندہ دہلی بھیج دیں تاکہ دونوں

فریقوں کا نقطۂ خیال مجھے معلوم ہو جائے۔ اس کے بعد جس نتیجے پر پہنچوں گا لکھ کر بھیج دوں گا۔ چند دنوں کے بعد ثالثوں نے مجھے اطلاع دی کہ دونوں فریقوں نے اپنی اپنی انجمنوں کا باقاعدہ جلسہ کرکے دو نمائندے چن لیے ہیں۔ ایک فریق نے بابو محمد شفیع صاحب کو چنا ہے۔ دوسرے فریق نے ماسٹر کفایت اللہ صاحب کو۔ ۲۲ر اگست ۱۹۵۴ء کو یہ دونوں صاحب دہلی آئے اور مجھ سے ملے دونوں صاحب اپنا اپنا تحریری بیان لائے تھے جو میں نے لے لیا۔ انہوں نے تفصیل کے ساتھ زبانی تقریریں بھی کیں جو میں نے سن لیں۔ معاملہ کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں قلم بند کرکے بھیج دیتا ہوں۔

بنائے نزاع نزاع جس معاملے میں ہوا۔ وہ یہ ہے کہ مسجد اہل حدیث کا امام اور خطیب کیسا ہونا چاہیے؟ اور موجودہ امام مولوی محمد امین صاحب مبارک پوری اس منصب پر قائم رہیں یا انہیں سبک دوش کر دیا جائے؟

مالیر کوٹلہ میں جماعت اہل حدیث کی ایک مسجد ہے جس کا انتظام انجمن اہل حدیث کی نگرانی میں ہے۔ مسجد کی امامت و خطابت کے لیے انجمن نے یہ طے کیا تھا۔ کہ اس منصب کے لیے ایک ایسے اہل حدیث عالم کو مقرر کرنا چاہیے جو قرآن و حدیث کا درس دے سکے اور توحید و سنت کا مبلغ ہو۔ دو سال ہوئے مولوی محمد امین صاحب مالیر کوٹلہ آئے اور اس منصب پر مقرر کیے گئے۔ مولوی صاحب جماعت اسلامی سے تعلق رکھتے ہیں۔ انہوں نے اس منصب کو جماعت اسلامی کے افکار و عقائد کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ بنا لیا اور یہ صورت حال بتدریج یہاں تک بڑھی کہ ان کے وعظ و ہدایت اور جد و جہد کا تمام تر مرکز جماعت اسلامی کی دعوت و تبلیغ ہو گئی۔ جماعت اسلامی کا مرکز قائم کیا گیا اور بیت المال بھی کھول دیا گیا۔

اس صورت حال کی وجہ سے جماعت اہل حدیث میں اختلاف رونما ہوا ایک گروہ نے اسے پسند نہیں کیا کہ مسجد کی امامت جماعت اسلامی کی دعوت و تبلیغ کا آلہ کار بنا دی جائے۔ اس کی رائے یہ ہوئی کہ امام مسجد صرف مسلک اہل حدیث کے افکار و حوادث کا مبلغ ہونا چاہیے۔ وہ چاہتا ہے کہ مولوی محمد امین صاحب اس خدمت سے سبک دوش کر دیے جائیں۔ دوسرا گروہ مولوی صاحب کا حامی ہے اسے اس پر اصرار ہے کہ مولوی صاحب بدستور ہی امام رہیں۔ بالآخر یہ تفرقہ یہاں تک

پڑھا کر مسجد میں دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک جماعت مولوی محمد امین صاحب کے پیچھے نماز پڑھتی ہے۔ دوسری ایک دوسرے صاحب مولوی عبد اللہ صاحب کے پیچھے گزشتہ رمضان میں ایک نیا جھگڑا پیدا ہو گیا۔ یعنی یہ کہ مسجد میں پہلی جماعت کس فریق کی ہو؟ اس پر جذبات اس قدر تیز ہو گئے کہ تصادم اور نقص امن کا اندیشہ پیدا ہو گیا اور پولیس کو مداخلت کرنی پڑی۔ پولیس نے فریقین کے پینتیس افراد کو زیر دفعہ ۱۰۷/۱۵۱ گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا۔ عدالت نے پہلی پیشی کے بعد کاروائی ملتوی کر دی اور ثالث مقرر ہوئے تاکہ اصلاح کی کوشش کی جائے۔

جو فریق موجودہ امام صاحب کا مخالف ہے اس کی جانب سے محمد شفیع صاحب آئے جو فریق ان کا حامی ہے اس کی جانب سے ماسٹر کفایت اللہ صاحب آئے تھے۔

فیصلہ

اس نزاع نے ایک اصولی سوال پیدا کر دیا ہے جس کا ہمیں فیصلہ کرنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ مسجد اہل حدیث کی امامت و خطابت کے منصب کو کسی دوسری مذہبی یا سیاسی تحریک کی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنانا مناسب ہے یا نہیں؟ اور جماعت اہل حدیث کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایسا کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ معاملے کے تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر اس بات کا دروازہ فوراً بند نہیں کر دیا گیا تو یہ بات جماعت اہل حدیث کے لیے آئندہ طرح طرح کی مشکلات و مفاسد کا ذریعہ بن جا سکتی ہے۔ آج جماعت اسلامی کا سوال پیدا ہوا ہے۔ کل کوئی دوسرے امام صاحب آئیں گے اور مسجد کے منبر کو کسی دوسری سیاسی یا مذہبی تحریک کی دعوت و تبلیغ کا پلیٹ فارم بنا دیں گے۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ مسجد کی امامت وقت کی سیاسی یا مذہبی تحریکوں کا ایک بازیچہ بن کر رہ جائے گی اور جماعت اہل حدیث اپنے مسلک اور اصول کو محفوظ نہیں رکھ سکے گی۔

ملک میں جو سیاسی اور مذہبی تحریکیں چل رہی ہیں لوگوں کو اختیار ہے کہ اگر چاہیں تو ان میں دل چسپی لیں لیکن مسجد کی امامت و خطابت کو اس کا آلہ کار بنانا کسی طرح بھی درست نہیں ہو سکتا۔ مسجد کا منبر صرف کتاب و سنت کی تبلیغ و تلقین کے لیے ہے۔ اسے دوسری تحریکوں کا پلیٹ فارم نہیں بنانا چاہیے۔ اگر ایسا کیا گیا تو یہ جماعت کے لیے ایک خطرناک اقدام ہو گا۔

بابو محمد شفیع صاحب نے اپنے بیان میں یہ بات بھی لکھی ہے کہ جماعت اسلامی

کے بعض افکار و آرا قابل اعتراض ہیں اور علما نے ان کا رد کیا ہے۔ میں اس معاملے میں جانا ضروری نہیں سمجھتا۔ میرے سامنے معاملہ صرف اس شکل میں آیا ہے کہ کیا اصولاً یہ بات مناسب ہو گی کہ مسجد کی امامت کے منصب کو کسی سیاسی یا مذہبی تحریک کا ذریعہ بنایا جائے؟ اگر ایسا کرنا اصولاً درست نہیں ہے تو پھر اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ جس تحریک کا سر دست سوال پیدا ہوا ہے۔ وہ کیسی ہے؟ اور اس کے افکار و آرا کیا ہیں؟ جیسے کچھ بھی ہوں لیکن امامت کے منصب کو ان کا ذریعہ تبلیغ نہیں بنانا چاہیے۔

ماسٹر کفایت اللہ صاحب نے اپنے بیان میں اس بات پر زور دیا ہے کہ بابو محمد شفیع صاحب کی مخالفت محض جماعت اسلامی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بعض شخصی وجوہ کی بنا پر ہے اور اس سلسلے میں انہوں نے بعض واقعات بیان کیے ہیں۔

میں نے ان واقعات کی تحقیق ضروری نہیں سمجھی کیونکہ سوال افراد کی مخالفت یا عدم مخالفت کا نہیں ہے بلکہ اصل مسئلے کا ہے۔ فرض کر لیا جائے کہ محمد شفیع صاحب کسی ذاتی مخاصمت کی بنا پر موجودہ امام صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی اصل سوال بدستور باقی رہتا ہے کہ مسجد کی امامت کو وقت کی تحریکات کا ذریعہ تبلیغ بنانا چاہیے یا نہیں؟

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مولوی محمد امین صاحب کو اس خدمت سے سبکدوش کر دینا چاہیے اور ان کی جگہ ایک ایسے اہل حدیث عالم دین کو مقرر کرنا چاہیے جو اہل حدیث کے مسلک کے مطابق قرآن و حدیث کی تعلیم دے، توحید و سنت کی تبلیغ کرے اور وقت کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں سے کوئی تعلق نہ رکھتا ہو۔ اگر فوراً کسی ایسے صاحب کا تقرر نہیں ہو سکتا تو سر دست مولوی عبداللہ صاحب امامت کی خدمت انجام دیں۔ جب تک کہ کسی زیادہ اہل شخص کی خدمات حاصل ہو جائیں۔

آخر میں دونوں فریقوں سے درخواست کروں گا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اب اسے یک قلم فراموش کر دیں اور بحکم انما المومنو اخوۃ باہم دگر بغل گیر ہو کر از سر نو رشتۂ اخوت و محبت کو تازہ و استوار کریں۔

ابوالکلام احمد آزاد

مسائل جدیدہ

- بیمہ زندگی
- سود
- پراویڈنٹ فنڈ
- رویت ھلال کی خبر بذریعہ ریڈیو، ٹیلیگرام یا ٹیلیفون وغیرہ
- فوٹو اور اسٹیچو

بیمہ کے ایک کارکن کا نام

(بیمہ کے متعلق مولانا کی یہ رائے ملفوظات یا جوابات آزاد میں شامل نہیں تھی۔ ایک انشورنس کمپنی نے اپنے لٹریچر میں اس تحریر کا عکس شائع کیا ہے اس سے لے کر یہاں شامل کر لی گئی۔)

جہاں تک اسلام کے احکام کا میں نے مطالعہ کیا ہے، میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ زندگی کا بیمہ کرانا کسی طرح بھی اسلامی احکام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ مجھ سے جب کبھی کسی مسلمان نے اس بارے میں دریافت کیا ہے تو میں نے ہمیشہ اسے یہی جواب دیا ہے

ابو الکلام
کلکتہ

مقصود علی قریشی (دیگل گوڑہ - اورنگ آباد)

(سرکاری انشورنس فنڈ، پرائیویٹ بیمہ کمپنیوں کے منافع جات اور بنکوں کے سود کے متعلق مولانا سے حکم شرعی دریافت کیا تھا - ۱۲ر اگست ۵۲ء)

مولانا فرماتے ہیں کہ

سرکاری انشورنس فنڈ اور بیمہ کمپنیوں سے فائدہ اٹھانے میں کوئی مذہبی حکم مانع نہیں ہے۔ بنک کے سود سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(میں نے یہ نہیں لکھا ہے کہ مولانا ذاتی طور پر بنک کا سود لیتے ہیں[1]۔ میں اسے اسلامی اسٹیٹ میں حرام سمجھتا ہوں یعنی سوشلزم یا مساوات انسانی کے یہ معنی ہیں کہ بغیر معاوضہ کے دوسروں کی مدد کرے۔ بغیر محنت کے منافع یا سود وصول نہ کرے)

یعقوب شاہ (لاہور)

(۱)

(شاہ صاحب کو ملازمت سے سبکدوش ہونے پر پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ملی تھی جس میں

---

[1] شاید اس سے پہلے بھی کوئی خط لکھا گیا تھا۔ خط کا یہ حصہ اسی کی وضاحت ہے۔ قوسین کی عبارت میں جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ اجمل خاں صاحب کے ذاتی خیالات ہیں۔

ایک رقم سود کی بھی شامل تھی موصوف نے اس کے جواز و عدم جواز کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ، نئی دہلی

۲۴ ر ستمبر ۱۹۵۶ء

جناب محترم تسلیم

۱۸ ر ستمبر کا خط حضرت مولانا کو ملا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پراویڈنٹ فنڈ کی جو رقم ہے وہ آپ استعمال کر سکتے ہیں اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہ کیجیے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے

راقم محمد اجمل خاں

---

(۲)

(مولانا کے اس جواب سے یعقوب شاہ صاحب کا اطمینان نہیں ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے مزید وضاحت چاہی تھی۔)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۵ ر اکتوبر ۵۶ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا دوسرا خط مورخہ ۲۸ ر ستمبر ۵۶ء حضرت مولانا کو ملا وہ فرماتے ہیں کہ اس کا جواب دیا جا چکا ہے۔

راقم

محمد اجمل خاں

نوٹ :۔ جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے عرض ہے کہ بے محنت کے اگر کسی شخص کو کچھ حاصل ہو اور اس کا دینے والا اس معاوضہ کے دینے میں خوش نہ ہو تو وہ معاوضہ درست نہیں۔ مثلاً کوئی شخص ایک مکان بنوا کر اس کا کرایہ وصول کرے اور مکان کی اصل قیمت کی جگہ صرف اس کی آمدنی پر زکوٰۃ دے تو یہ درست نہیں۔ اسے ربوا کہیے یا تجارتی سود دونوں حاجت مند کا سود ہیں۔

اجمل

سید محمد بادشاہ قادری، معتمد صدر مجلس علما (حیدرآباد دکن)

(صدر مجلس علما کے تحت ایک رویت ہلال کمیٹی قائم کی گئی تھی اس کے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ آیا رویت ہلال کے متعلق ریڈیو کی خبر پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور ریڈیو کی خبر کس صورت میں معتبر ہو سکتی ہے؟

۵ رمارچ ۵۲ء)

انتظام یہ ہو کہ رویت ہلال کے بعد شہر کا مفتی یا جو بھی اس کام کا ذمہ دار ہو جب وہ اعلان کر دے کہ رویت ہو گئی۔ اس اعلان کو ریڈیو کے ذریعے نشر کر دیا جائے۔ شرعاً یہ اعلان معتبر ہو گا۔

محبوب علیم (ادونی ضلع بلہاری۔ مدراس)

(رویت ہلال کے متعلق ٹیلیگرام، ٹیلیفون اور ریڈیو کی خبر کی شرعی حیثیت کے بارے میں مولانا سے سوال کیا تھا۔ ۱۹ راگست ۴۸ء)

ریڈیو میں یہ انتظام کیا گیا ہے کہ چاند دیکھنے کی خبر نہیں دی جاتی بلکہ یہ خبر دی جاتی ہے کہ چاند دیکھا گیا اور مفتیوں نے عید کا اعلان کیا۔ یہ خبر رویت کی نہیں بلکہ شہر کے فیصلے کی ہے اور یہ کہہ دینا معتبر۔

ٹیلی گرام اور ٹیلیفون کی خبر کے ساتھ اگر خارجی دلائل موجود نہ ہوں کہ قابل اعتماد شخص نے کیا ہے تو وہ قابل اعتماد نہیں۔

اگر تار کے لیے کوئی کورٹ یا عدالت مقرر کر دی گئی ہو اور معتبر شخص نے بھیجا ہو تو اعتبار ہو سکتا ہے اور وہ کتاب القاضی الی القاضی کے حکم میں داخل ہو جائے گا۔

ایم صالح (کولمبو)

(رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو کی خبر سے متعلق علمائے مصر کے کسی فتوے کی شرعی حیثیت کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔ ۱۸ رجولائی ۱۹۵۳ء)

ماڈرن طریقے ایسے ہو گئے ہیں (۱) کہ بروقت اطلاع مل سکتی ہے اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ کم سے کم ہندستان میں بہ آسانی ایسا طریقہ اختیار کیا جا سکتا ہے کہ ایک ہی دن رمضان کی پہلی ہو اور ایک ہی دن عید۔ اس میں جو رکاوٹ پیش آجاتی ہے۔ وہ یہی ہے کہ ہمارے علما ابھی پرانے تنگ دائرے سے باہر قدم نکالنے پر تیار نہیں ہوتے اور وائرلیس کی خبر کی صحت میں شبہات ظاہر کرتے ہیں لیکن بہر حال کوشش جاری رہنی چاہیے۔ امید ہے کہ بتدریج لوگوں کے دماغ اس بارے میں کھل جائیں گے۔ اجمل

نامعلوم

(تذکرہ کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا تصویر کشی کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن بعد میں ان کی وہ رائے نہیں رہی اور کسی صاحب کے استفسار کے جواب میں مولانا نے یہ تفصیل تصویر کشی اور مجسمہ سازی کے جواز میں اپنی رائے ظاہر فرمائی۔ اور آخر تک ان کی یہی رائے رہی۔ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی نے "ذکر آزاد" میں مولانا کی یہ تحریر درج کی ہے۔ مولانا کی یہ تحریر ۱۹۲۱ء کی ہے۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محبی فی اللہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

والا نامہ پہنچا۔ تاخیر کے لیے خواستگار معافی۔ آپ نے جواز و عدم جوازِ فوٹو کی نسبت دریافت فرمایا ہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ سرِ دست چند اشارات پر اکتفا فرمایئے اور انشاء اللہ آپ کے لیے اشارات ہی مطلوب۔

یہ کہنا ضروری نہیں کہ ہر امر و نہی شرعی کسی نہ کسی علت پر مبنی، اور بنیادِ کار جلبِ مصالح و دفعِ مفاسد۔ کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ بذاتہ مُضر و مُفسد، اور کچھ ایسی ہوتی ہیں کہ گو بذاتہ نہیں، مگر مفاسد کے لیے مقدمات و وسائل کا کام دیتی ہیں۔ شارع کا فرض ہے کہ وہ جس طرح مفاسد کو روکے، اُسی طرح مقدمات و وسائل کو بھی روکے کہ کسی نہ کسی وقت مفاسد تک مُنجر ہوں گی۔ فقہاء نے اسی لیے محرمات لغیرہٖ کی اصلاح قائم کی ہے اور آپ کو اس کی تفصیل معلوم ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ انسان کی تباہی و ہلاکت کا اصلی مرض مفاسد کا عشق نہیں رہا ہے، بلکہ وسائل و مقدمات کا فریب ہے۔ دنیا میں ہمیشہ مفاسد کے قیام و دوام کا ذریعہ وسائل و مقدمات ہی ہوئے ہیں۔ مفاسد صریحہ سے نفرت، خود طبیعتِ انسانی میں موجود ہے، اسی لیے کوئی قوم کسی فسادِ صریح و حقیقی کو باسم و شکلِ فساد یکایک قبول نہیں کر سکتی۔ یہ وسائل و مقدمات ہی ہیں جو بوجہِ عدمِ مضرت بالفعل شائع ہو جاتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ مفاسد قطعیہ واصلیہ تک منجر ہوتے ہیں۔ شرک و بت پرستی، قتل اولاد، انسانی قربانی، غلامی، جنگ و قتال بغیر حق وغیرہ تمام مفاسد و خبائث کے شیوع کی تاریخ پر غور کیجیے۔ اِن سب کی ابتدا مقدمات و وسائل ہی سے ہوئی ہے۔

اسلام سے پہلے جن شرائع کا ظہور ہوا، اُن سب نے اپنی تمام توجہ محض مفاسد کے دفع و منع میں محدود رکھی، وسائل و مقدماتِ مفاسد سے چنداں تعرض نہیں کیا۔ اِس کا سبب یہ تھا کہ اُنکا عہد، ابتدائی عہد تھا اور سلسلۂ ارتقاءِ مذہب کی وہ ابتدائی کڑیاں تھیں، جو بتدریج حسبِ استعدادِ اُمم ظاہر ہوتی رہیں اُس وقت اقوام کی استعداد یہاں تک نہیں پہنچی تھی کہ منعِ وسائل کے نازک و دقیق احکام کی متحمل ہوسکیں۔ اُن کی کوتاہیِ نظر و حداثتِ فکر کا تو یہ حال تھا کہ صریح بت پرستی سے بچنے کا صاف و واضح حکم بھی بارِ خاطر ہوتا تھا۔ مصر سے نکلتے ہی بنو اسرائیل نے فرمائش کر دی تھی " اِجْعَل لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ، قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ[1] " لیکن جب وہ وقت آگیا کہ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا[2] " اور اسلام کا ظہور ہوا، تو ضروری ہوا کہ آیندہ کے لیے مفاسد کا قطعی سدّ باب کر دیا جائے اور اُن تمام سوراخوں کو بند کر دیا جائے جہاں جہاں سے شر و فساد کو اُبھرنے کے لیے راہیں ملتی رہی ہیں۔ تمام شرائع کا اِس اساس اور اصلاحِ عالم کی اصل بنیاد، عقیدۂ توحید خالص اور منع شرک و ماسوی اللہ پرستی ہے۔ آغاز ظہور ہدایت سے اِسی کی تبلیغ ہوتی رہی اور تمام انبیاء و رسل اِسی کے قیام و اعلان کے لیے آئے، لیکن اب تک جو کچھ ہوا تھا، وہ صرف اِسی قدر تھا کہ شرکِ صریح سے روکا گیا تھا۔ وسائل و ذرائع شرک کے سدّ باب کا کچھ انتظام نہیں ہوا تھا، اور اسی وجہ سے تمام پیروانِ رُسُل، توحید سے آشنا ہو کر پھر دوبارہ شرک و اصنام پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ پس اسلام نے تکمیلِ شریعت کے کام کو یوں پورا کیا کہ پہلوں کی طرح صرف بت پرستی اور شرکِ صریح ہی سے نہیں روکا، بلکہ ان تمام عقائد و اعمال کو جرم و معصیت قرار دیا، جو کسی نہ کسی رنگ میں وسائل و مقدماتِ شرک ہو سکتے ہیں اور گو ان میں فی نفسہٖ کوئی مضرت نہیں ہے، لیکن وسیلۂ و مقدمۂ مضرات و مفاسد ضرور ہیں۔ اسلام کی حقیقت بینی نے اعمالِ انسانیہ کو صرف اسی نظر سے نہیں دیکھا کہ اُن میں مضرت بالفعل ہے یا نہیں؟ بلکہ ہمیشہ اِس پر نظر رکھی کہ وہ مُوصّل الی الفساد تو نہیں ہیں؟ اور دنیا اپنی اصلاحِ آخری کیلیے صرف اُسی نظر کی منتظر تھی۔

---

[1] مصر والوں کے جیسے دیوتا ہیں، ویسا ہی ایک دیوتا ہمارے لیے بھی بنا دو۔

[2] آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور اسلام کو تمہارے لیے دین پسند کر لیا۔

جب یہ حقیقت آپ کے سامنے آگئی، تواب آپ دیکھیں گے کہ بہت سے امور ایسے ہیں، جن میں فی نفسہٖ شرک و فساد کو کوئی دخل نہیں، لیکن شارع سے اُن کی نسبت نہی منقول ہے اور علت نہی کی یہی ہے۔ بزرگوں اور پیشواؤں کی تعظیم میں فی نفسہٖ کوئی بُرائی نہ تھی۔ لیکن یہی تعظیم مفرط ہے۔ جو پہلوؤں کے لیے وسیلہ ہوئی ہے۔ لہٰذا قیام تعظیمی سے بھی روک دیا کہ "لَا تَقُوْمُوا کَالْاَعَاجِم" بادشاہوں اور بزرگوں کے آگے زمین بوس کورنش بجا لاتے تھے، اور مقصود بجز احترام کے اور کچھ نہ تھا، مگر شارع نے سجدۂ تحیہ کو بھی روک دیا۔ قیس بن سعد نے جب کہا کہ "أتیت الحیرۃ فرأیتہم یسجدون لمرزبان لھم، فانت احق بان یسجد لك فقال لاتفعلوا"، زیارتِ قبور میں فی نفسہٖ کیا مضرت ہے۔ بلکہ ذریعۂ عبرت و دفعِ غفلت، مگر زوّاراتِ قبور پر لعنت بھیجی اور ابتدا میں بالعموم روک دیا، جیسا کہ حدیثِ بخاری "کنت نھیتکمُ عن زیارۃ القبور"۔ رسول کی محبت و طاعت، عین طاعت و محبت حق ہے اور خود قرآن ناطق ہے کہ رسول اللہ کی تعظیم و تکریم میں غفلت نہ کرو "تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ"، اور "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ"، اور اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ"، اور "النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ الخ اور حدیث عمر کہ لَا یُؤْمِنُ احدکم الخ بایں ہمہ فرمایا کہ "لا تُطْرُونی" اور حدیث انس کہ "انی لا أرید ان ترفعونی فوق منزلتی، انا محمد بن عبد اللہ" آنحضرت صلعم کے سیدِ اخلاق و امم ہونے میں کیا شک ہے، اور اس تمام کرۂ ارضی میں بجز اِس وجود کے کون ہے جس کو سیادتِ عالم پہنچتی ہو؟ بایں ہمہ جب وفد بنی عامر آیا اور لوگوں نے کہا کہ "انت سیدنا"، تو آپ نے فرمایا "السید اللہ"، اور قولو ا قولکم او بعض قولکم"، انبیاء میں ایک کو دوسرے پر فضیلت ہے "فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ"، اور خیر الامم اور آخر الادیان کے داعی کے افضل الرُّسل ہونے میں کس کو تأمل ہو سکتا ہے۔ تاہم فرمایا کہ "لا تفضلونی علیٰ یونس بن متی"، الخ اور ان تمام باتوں سے مقصود یہی تھا کہ گو فی نفسہٖ اِن امور میں کوئی فساد نہیں، بلکہ بعض بحالتِ صحتِ نیت و فکر، و جمع شروط، مستحسن و مامور بہ، لیکن آگے چل کر یہی چیزیں وسیلہ شرک و فساد ہو جاتی ہیں اور پچھلی قوموں نے اسی تعظیم و مدح و اطراء کے غلو سے انبیاء کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا ہے۔ اسی طرح منعِ حلف بغیر اللہ پر غور کیجیے کہ "لا تحلفوا بالطواغی ولا بآبائکم"، کہ حدیثِ مسلم ہے، اور حدیثِ حذیفہ کہ "لا تقولوا ما شاء اللہ و شاء فلان

ولکن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء فلان" رای لما فیہ من التسویۃ بین اللہ و بین عبادہ)
اور روایت فیلتلہ مندرجہ نسائی کہ اعتراض یہود کے بعد کعبہ کی قسم سے روکنا اور فرمانا کہ "قولوا و
رب الکعبۃ" ، اور اسی طرح حکم "لا یقولن احد کم عبدی و اُمتی ولکن یقول غلامی وجاریتی"
الخ بھی اسی علت پر مبنی کہ اس قسم کی نسبتیں انسانوں کو ارباباً من دون اللہ بنا دیا کرتی ہیں حدیث
تابیر نخل بھی اس پر شاہد ہے کہ ممانعت کی بنیاد یہی علت تھی اور یہ جو مداحین کی مذمت کی اور
تمدیح و توصیف سے روکا، تو اس کا سبب بھی بجز اس کے کچھ نہ تھا۔

اب اصل مسئلے پر غور کیجیے۔ تصویر و تماثیل کا مسئلہ بھی دراصل اسی سلسلے میں داخل ہے۔
اسلام کے ظہور کے وقت آلات و وسائل بت پرستی و شرک میں سے ایک موثر ترین آلہ فن
مصوری و تماثیل سازی بھی تھا۔ دنیا کی تمام بت پرست قوموں نے جب بت پرستی کی ابتدائی
منزلوں سے ترقی کی (یعنی ان ابتدائی منزلوں سے جب کہ محض غیر مصنوع مظاہر فطرت کی پرستش
کی جاتی تھی) تو یہی چیز (مصوری) آلہ بت پرستی بنی اور جب آپ مصوری کی تاریخ کا مطالعہ کریں
گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بت پرستی ہی کی وجہ سے یہ فن دنیا میں شائع و مقبول ہوا۔ مصوری
میں ایک چیز تو خطی ہے اور ایک تجسّم و تمثّل ہے۔ یعنی یا تو کپڑوں اور چمڑوں پر تصویر بنائی جاتی تھی
اور یا پتھر اور مٹی کے مجسمے اور بت بنائے جاتے تھے، لیکن اس عہد میں یہ دونوں طریقے صرف
بت پرستی اور اس کے اقسام و وسائل کے لیے مخصوص تھے۔ جس قدر تصویریں کھینچی جاتی تھیں اور
مجسموں کی شکل میں بنائی جاتی تھیں، سب کی سب یا تو ان دیوتاؤں اور اوتاروں کی ہوتی تھیں، جنکی
پرستش کی جاتی تھی، یا قومی پیشواؤں اور مقدس و محترم انسانوں کی، جن کو مثل دیوتاؤں کے پوجا
جاتا تھا، یا کم سے کم ان کی تصویروں کو تعظیم و تکریم سے رکھنا اور دیکھنا موجب برکت و سعادت
سمجھا جاتا تھا کہ یہ بھی "لیقربونا الی اللہ زلفیٰ" میں داخل ہے۔ دجلہ و فرات کے کناروں
کی تمام متمدن آبادیاں (بابل وغیرہ) میں فن تصویر کو بت پرستی ہی سے ترقی ہوئی۔ یونان
اور روم کی بت پرستی نے مجسمہ سازی کو منتہا ترقی تک پہنچا دیا۔ ایران کے کھنڈر، مصر کے
قدیم آثار، اور ہندوستان کی زندہ بت پرستی، ان سب کے اندر اس فن کا آلہ بت پرستی
ہونا دیکھا جا سکتا ہے۔ عیسائیوں نے حضرت مریم اور حضرت مسیح کے بت بنا کر گرجوں میں

سجائے اور اُن کی تصویروں کو تبرک وسعادت کے لیے اپنے گھروں کے اونچے طاقوں میں رکھا۔ رومن کیتھولک چرچ اب تک یہی کر رہا ہے۔ عرب جاہلیت نے حضرت ابراہیم واسماعیل کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا تھا۔ غرضکہ ظہور اسلام کے وقت فن مصوری صرف بت پرستی کا ایک آلہ تھا اور اس کے سوا اُس سے اور کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا۔

علاوہ بریں غور کیجیے تو فن مصوری ویسے بھی بہر حال وسیلۂ اصنام پرستی ہے۔ انسان کو قدرتی طور پر خواہش پیدا ہوتی ہے کہ اپنے بزرگوں اور محبوبوں سے جدا ہونے کے بعد اُن کی تصویروں کے نظارے سے اپنے جی کو تسلی دے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں تبرک وتقدس کا خیال شامل ہو جاتا ہے۔ تبرک وتقدس کا اعتقاد پرستش تک پہنچتا ہے۔ اور اس کے بعد وہی حال ہو جاتا ہے، جو قوم نوح کا ہوا تھا کہ "قَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا"[1] حضرت ابن عباس نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ سواع اور یغوث اُن کے قومی پیشوا تھے۔ تعظیم واحترام و یادآوری و تذکار کے لیے اُن کے بت بنائے گئے تھے۔ رفتہ رفتہ اُن کو دیوتا سمجھ کر پرستش کرنے لگے۔

ایسی حالت میں ناگزیر تھا کہ اِس سب سے بڑے مؤثر عامل وسیلۂ ومقدمہ شرک کا انسداد کیا جائے اور یہی سبب ہے کہ شارع نے نہایت سختی کے ساتھ مصوّروں اور تصویروں کی مذمت کی۔ اُن کو لعن وغضب کا مورد قرار دیا، اور اُن گھروں کو سعادت و برکت سے محروم بتلایا، جن میں پرستش کے صُوَر واصنام موجود ہوں، اور امید ہے کہ وہ تمام احادیث آپ کے پیش نظر ہوں گی۔

پس تصویر وتماثیل کی ممانعت کو بھی اُسی سلسلے میں لانا چاہیے جس سلسلے میں تمام ایسی چیزوں کو روک دیا گیا ہے، جو گو خود کوئی برائی نہیں رکھتیں، لیکن برائیوں کا وسیلۂ و مقدمہ ہیں۔ جس طرح قیام تعظیمی سے روکا، جس طرح عورتوں کو زیارتِ قبور سے روکا، اور جس طرح مدّاحوں کی نسبت وعید آئی، ٹھیک ٹھیک اُسی طرح تصویر سازی کو بھی ممنوع قرار دیا۔ فی نفسہٖ تصویر بنانے میں

---

[1] خبردار اپنے دیوتاؤں سے دست بردار نہ ہونا، نہ وُدّ سے نہ سُواع سے نہ یغوث و یعوق اور نسر سے۔

کوئی مضرت نہیں ہے۔ یہ بھی ایک شکل خطی ہے، جس طرح صُوَرِ الفاظ و معانی، اشکالِ خطیہ میں ظاہر ہوتے ہیں، لیکن چونکہ یہ ایک قوی و عام تر وسیلہ اصنام پرستی ثابت ہوئی ہے، اس لیے سدِّ بابِ شرک و بت پرستی و قیامِ توحیدِ کامل و خالص و محفوظ کے لیے ضرور تھا کہ اس کو بھی سختی کے ساتھ روک دیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی ضمناً آپ پر ظاہر ہو گئی ہو گی کہ اس نہی کی جو تعلیل بعض فقہا نے کی ہے اور یہ سببِ حرمت بیان کیا ہے کہ تصویر بنانے میں خدائے تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کی نقل اُتاری جاتی ہے اور بوجہِ اشتراکِ فعل ایسا کرنا ناجائز ہوا، تو یہ کسی طرح درست نہیں۔ اگر مصوری کی ممانعت میں نقطہ یہی ہے، تو کون سی وجہ ہے کہ یہی فقہا، غیر حیوانات کی تصویروں کو ناجائز نہیں قرار دیتے؟ کیا صرف انسان و حیوان ہی اللہ کی خالقیت کا ظہور ہیں؟ درخت اور پہاڑ اُس کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہیں؟ اگر یہ تمام کائنات اُسی کی مخلوق ہے، تو جس طرح ایک حیوان کی شکل بنانے سے خدا کی خالقیت کی نقالی ہوتی ہے، اُسی طرح ایک درخت کے بنانے سے بھی، اور ایک پہاڑ کے نقشے سے بھی۔ یہ کہنا کہ حیوانات میں روح ہے اور ان میں نہیں، بالکل فضول ہے، کیونکہ اوّل تو اشتراکِ تخلیق وجود جسم میں ہے نہ کہ روح میں، مصوّر جسم کی صورت کھینچتا ہے نہ کہ روح کی اور جسم جیسا انسان کا ہے ویسا ہی پتھر کا اور ثانیاً یہ کون کہتا ہے کہ نباتات میں روح نہیں ہے؟ قرآن حکیم نے جابجا ارواحِ نباتیہ کی خبر دی ہے اور علم بھی اس کی تصدیق کر چکا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ فقہا کو بعض احادیث و آثارِ صحابہ سے دھوکا ہوا ہے۔ جن میں مصوّرین سے مطالبۂ نفخِ روح کا ذکر ہے، حالانکہ اُن کا مطلب دوسرا ہے۔ چونکہ مصوّروں سے مقصود وہ مصوّر تھے۔ جو پرستش کے لیے تصویریں اور بت بنایا کرتے تھے، اس لیے فرمایا کہ ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اگر واقعی یہ اصنام و صور تمہارے لیے وسیلۂ رزق و رفعِ حوائج و دفعِ مشکلات تھے اور صاحبِ ارادہ و قوت و صفاتِ الوہیت، تو جہاں تم نے اُن کے جسم بنائے ہیں، وہاں اُن میں روح بھی پیدا کرو، اگر ایسا نہیں ہے تو کیا ایک بے جان صورت مستحق عبادت و پرستش ہو سکتی ہے؟ پس ان روایات میں مطالبۂ نفخِ روح کی اصلی علت بھی وہی پرستش و شرک ہے نہ کہ تسویۂ تخلیق۔

ممکن ہے کہ اِن فقہاء کو یہ خیال بخاری و مسلم کی روایت ابو ہریرہ سے ہوا ہو جس کے الفاظ غالباً یہ ہیں کہ "سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فیخلقو اذرۃ أو لیخلقوا حبۃ أو شعیرۃ الخ لیکن اس حدیث سے بھی علّت وہ نہیں نکلتی، جو اِن فقہاء نے سمجھی ہے۔ اصلی علت وہی شرک و پرستش طواغیب ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ نے بھی اصلی علت منعِ تصاویر کی یہی قرار دی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں" ومنھا صناعۃ التصاویر فی الثیاب والجدران والأنماط، فنھی عنھا النبی صلعم ومدار النہی شیئان احدھما انھا أحد وجوہ الارفاہ والزینۃ فانھم کانوا یتفاخرون بھا ویبذلون اموالا خطیرۃ فیھا فکانت کالحریر وھذا المعنے موجود فی صورۃ الشجر وغیرھا وثانیھما أن المحاضرۃ بالصور واتخاذھا وجریان الرسم بالرغبۃ فیھا یفتح باب عبادۃ الاصنام وینوہ امرھا ویذکرھا لأھلھا، ومانشأت عبادۃ الاصنام فی أکثر الطوائف الا من ھٰذہ، وھٰذا المعنے یختص بصورۃ الحیوان، ولذلک أمر بقطع رأس التماثیل لتصیر بھیئۃ الشجر الخ شاہ صاحب نے عمومِ منع کی علت، اسراف و تبذیر و تزئینِ بیجا و مفرط کو قرار دیا ہے، اور صورِ حیوانات کی نہی کا سبب سدِّ باب شرک و عبادتِ اصنام بتلاتے ہیں۔ یہ اُن کے کمالِ فقہ کی دلیل ہے۔

جب یہ مراتب واضح ہو چکے، تو اب اصلی سوال کی جانب توجہ کیجیے۔ جب حرمتِ تصویر کا مسئلہ بھی اُن نواہی میں داخل ہے، جو وسیلۂ مفاسد ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار پائے، تو بلاشبہ اُس کے احکام بھی وہی ہوں گے، جو اس قسم کے نواہی کے ثابت ہو چکے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس بارے میں شارع کا طریق کار یہ رہا ہے کہ علّتِ حکم کے رفع کے بعد حکم بھی اُٹھ گیا ہے، یعنی اِن امور کو جن اسباب کی بنا پر روکا جاتا ہے، جب اُن میں تغیّر ہو جاتا ہے، تو اِس تغیّر کا اثر، نفسِ حکم پر بھی پڑتا ہے، کیونکہ حکم اُنہی اسباب کا نتیجہ تھا۔ مثال میں اُنہی چیزوں کو دیکھیے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اگر ایک طرف" لاتقوموا کما یقوم الاعاجم یعظم بعضھا بعضا"، ہے، تو دوسری طرف واقعۂ بنی قریظہ میں قوموا الیٰ سید کم بھی ہے۔ اگر آغازِ اسلام میں بالعموم زیارتِ قبور سے روک دیا گیا کہ" نھیتکم عن زیارۃ القبور، تو پھر یہ بھی ہے کہ "زوروھا فانھا تذکرکم الموت"، ترمذی میں ہے کہ" قال رجل یا رسول اللہ، الرجل

ما يلقى أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال لا۔ أفيلتزمه ويقبله؟ قال لا۔ قال أفيأخذه بيده ويصافحه؟ قال نعم[1]"، لیکن ساتھ ہی اسی ترمذی کے اسی باب میں حدیث صفوان بن عسال بھی ہے کہ "فقبلوا یدیه ورجلیه"، اور ابو داؤد میں روایت زارع وفد عبد القیس کہ "فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل يد رسول الله صلے الله علیه وسلم ورجله"، اور حدیث ابن ماجہ عن ابن عمر کہ "قبلنا یده"، الخ اگر ایک موقع پر فرمایا کہ "لا تفضلونی علیٰ یونس بن متی" تو دوسرے موقع پر یہ بھی ہے کہ "لوکان موسیٰ حیاً لما وسعه الا اتباعی" اور "آدم ومن دونه تحت لوائی"، وفد بنی عامر کی روایت میں اس سے روکا کہ مجھے سیدنا نہ کہو "السید الله"، لیکن پھر خود ہی فرمایا "انا سید ولد آدم ولا فخر"، رُقی وتمائم کے متعلق کس قدر شدت کے ساتھ نہی آئی ہے۔ ابو داؤد اور احمد کی روایت ابن مسعود میں ہے کہ "ان الرقی والتمائم والتولة شرک" اور امراۃ عبد اللہ بن مسعود کا واقعہ کہ "ان عبد الله رائ فی عنقی خیطا فقال ما هذا؟ قلت خیط رقی لی فیه، قالت فأخذه ثم قطعه ثم قال سمعت رسول الله" الخ لیکن ساتھ ہی مسلم کی روایت عوف بن مالک کو دیکھیے کہ "اعرضوا علی رقاکم مالم یکن فیه شرک"، اور بکثرت احادیث موجود ہیں کہ اس کی اجازت دی اور صحابہ نے کیا۔ واقعہ تابیرِ نخل بھی اسی سلسلے میں داخل، کہ ابتدا میں بخوفِ شرک روکا مگر پھر اجازت دی اور فرمایا "انتم اعلم بامورِ دنیاکم"، اسی طرح وجوہِ مداحین کے لیے "احثوا التراب" فرمایا اور نہایت شدت کے ساتھ خود اپنی مدح وتوصیف کے اغراق سے روکا، مگر ساتھ ہی بکثرت احادیث وآثار موجود ہیں، جن میں صحابۂ کرام کے مدح وتوصیف کرنے اور آپ کے سننے اور نہ روکنے کا ذکر ہے، اور اس بارے میں صحابۂ کرام کے استغراق و استہلاک کا قولاً وعملاً جو حال تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ شعرائے اہل اسلام کی مدیح وتوصیف اور آپ کا تحسین فرمانا معلوم ہے۔ حضرت عمر نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ "لقد بلغ من فضیلتک عند الله ان

---

[1] ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ، ہم میں سے کوئی شخص اپنے دوست یا بھائی سے ملتا ہے تو کیا اُس کے لیے جھکے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا اُس سے معانقہ کرے اور چومے؟ فرمایا نہیں۔ عرض کیا، تو کیا اُس کا ہاتھ تھامے اور مصافحہ کرے؟ فرمایا، ہاں۔

اقسم بتراب قدمیک، فقال لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد۔"

بظاہر دیکھیے تو ایک ہی چیز کے متعلق ایک موقع پر نہی ہے اور دوسرے موقع پر نہ صرف جواز بلکہ امر وتحسین۔ اہلِ علم نے ان اختلافاتِ احکام پر مختلف پہلوؤں سے بحثیں کی ہیں۔ مگر فی الحقیقت اُن میں کوئی اختلاف نہیں، اور اختلافِ حکم کی علت اختلافِ حالت اور وجود وعدمِ وجود علتِ نہی ہے۔ دنیا میں انسانی پرستش کا ایک بڑا وسیلہ یعظم بعضھا بعضا، رہا ہے کہ تعظیم مفرط پرستش تک پہنچ گئی ہے۔ علی الخصوص ایسی حالت میں کہ پیشوایانِ ملت ورؤساء دینی کی کی جائے اس لیے انسدادِ شرک کے لیے اس سے روکا، مگر" قوموا الی سیدکم"، کا موقع دوسرا تھا اور تواضع ادب ومراعاتِ حقوق میں داخل، لہٰذا خود حکم دیا۔

دنیا میں فتنۂ قبور سے روکا گیا، لیکن جب توحید اسلامی دلوں میں راسخ ہو گئی تو" فزوروھا" فرما کر حکم دے دیا کہ اب وسیلۂ شرک ہونے کی جگہ تذکرۂ موت وعبرت کا ذریعہ تھا۔ گذشتہ قوموں کی ایک بڑی ضلالت مرتبۂ نبوت والوہیت کا اختلاط واتحاد تھا۔ مسیحی تحریک اسی گمراہی کی بدولت رائگاں گئی، اس لیے شارع نے ہمیشہ اپنی تعظیم مفرط ومدح واطراء وغلو واغراق سے روکا" لا تطرونی" اور" لا تفضلونی"، اور" السید اللہ" وغیرہ ارشادات واحکام اسی علت پر مبنی تھے، لیکن جن جن مواقع میں یہ علت نہی باقی نہ رہی، وہاں منع ونہی کا بھی وجود نہ رہا اور کبھی" انا سید ولد آدم" فرمایا اور کبھی" آدم ومن دونہ تحت لوائی"، اور کبھی" لو کان موسیٰ حیا لما وسعہ الا اتباعی"، اور مرتبہ شناسانِ رسالت نے بھی جو کچھ کہا، اُس کو سمع رضا واستحسان کے ساتھ قبول فرمایا ولنعم ماقیل،

ماشئت قل فیہ فانت مصدق

فالحب یقضی والمحاسن تشھد

پس یہ حالت دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ تصویر کا معاملہ بھی اسی سلسلے میں داخل ہے۔ دراصل علتِ نہی، شرک واصنام پرستی تھی۔ اگر یہ علت باقی نہ رہے، تو کیوں تصویر ممنوع ہو؟ اگر زیارتِ قبور (جو وسیلۂ مفاسد ہونے کے لحاظ سے کم از تصویر نہیں) بحالتِ تذکرۂ موت ورفع خوفِ شرک جائز ہو گئی، اور اسی طرح اور بہت سی چیزیں، تو بحالتِ عدمِ خوفِ پرستش وباغراض مستحسنہ علمیہ واخلاقیہ تصویر کشی کیوں جائز نہ ہو؟ (انتہیٰ)

تصوف

* تصوف۔ اصل و غایت اور بعض اصطلاحات
* صوفی و مسلم
* یورپ اور روحانیت
* زندہ اولیاء

سوامی برہم دت ہنس

(مکتوب الیہ ایک ہندو تھیاسی ہیں انھوں نے مولانا سے معلوم کیا تھا کہ صوفی کی اصل و تاریخ کیا ہے؟ ۲۴ر جولائی ۱۹۵۲ء)

میرا خیال ہے کہ یہ یونانی لفظ "صوفہ" سے نکلا ہے جس کے معنی حکمت و عقل ہیں۔ اسی سے فیلسوف بنا ہے۔ قطعی طور پر کہنا مشکل ہے لیکن یہی خیال زیادہ معقول معلوم ہوتا ہے۔

ابوالکلام [1]

ثنار دانش (لاہور)

(مولانا سے یہ دو سوال کیے گئے تھے)

(۱) تصوف سے کیا مراد ہے؟

(۲) احدیت اور واحدیت میں کیا فرق ہے؟

نیز ترجمان القرآن کی ایک جلد مولانا سے طلب کی تھی۔ ۱۰ر اکتوبر ۵۵ء)

(۱) تصوف سے مقصود باطن کا تصفیہ ہے۔

(۲) احدیت سے مقصود اللہ کی ذات کی یگانگی ہے اور واحدیت سے مقصود اول کا مقام ہے۔ یہ تصوف کی مصطلحات ہیں اختصار کے ساتھ ان کی حقیقت نہیں بیان کی جا سکتی۔

(۳) ترجمان القرآن یہاں نہیں ہے۔

نامعلوم

(سوال درج نہیں۔ مولانا کے جواب سے سوال کی نوعیت کا بھی کچھ اندازہ ہو جاتا ہے)

مسلم صوفی کے کیا معنی، جو بھی صوفی ہوگا وہ مسلم ہوگا اگر مسلم کے معنی خدا کے مطیع ہونے کے ہیں تو سب مومن باللہ ہیں۔ اسلام کے خدا کا دوسرے خداؤں سے کیا فصل ہے [2]۔

---

[1] ماخوذ از ماہنامہ آجکل، دہلی۔ (ابوالکلام آزاد نمبر)

[2] اس جواب پر مولانا غلام رسول مہر نے یہ حاشیہ اضافہ فرمایا ہے "اصل عبارت حد درجہ مجمل ہونے کے باعث واضح نہیں۔ سوالات سامنے ہوں تو اس کی حقیقی حیثیت کا اندازہ ہو سکتا ہے"۔

قادر خاں (میسور)

(روحانیت کے موضوع پر مولانا کی معلومات سے استفادہ کرنا چاہتے تھے، زندہ اولیا کے بارے میں معلوم کیا تھا کہ وہ کون ہیں اور یورپ میں روحانیت کے اسکول اور لٹریچر کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔ ۱۴؍اپریل ۵۲ء)

جو لٹریچر مل سکتا ہے اسی پر قناعت کیجیے۔ زندہ اولیا کے متعلق بھی مولانا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یورپ میں جو روحانیت کا اسکول عرصے سے قائم ہے وہ (مولانا) اس پر اعتقاد نہیں رکھتے۔

اجمل خاں

تعلیم و اصلاح

- ★ اصلاح و ترتیب نصاب
- ★ صنعتی و زراعتی تعلیم
- ★ اصلاحِ رسومِ غیر شرعیہ
- ★ تبلیغ و اشاعتِ اسلام

مولانا محمد میاں (دہلی)

(طلبہ کے لیے ایک کتاب کی ترتیب مولانا محمد میاں صاحب کے پیش نظر تھی۔ مولاناؒ سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تھا کہ عبادات کا حصہ جو فقہ حنفی کے مطابق لکھا گیا ہے اس سے الگ کر دیا جائے اور عقائد، سیرت، اخلاق اور آداب معاشرت کا حصہ الگ ہو۔ یہ ہر مسلک کے بچے کی تعلیم کے لیے ہو اس لیے کہ ان امور میں کوئی اختلاف نہیں۔ ۴ر اکتوبر ۵۳ء)

متن میں جو طریقہ انجمن حمایت اسلام (لاہور) نے اختیار کیا ہے وہ مناسب ہوگا یعنی جن مسائل میں اہل حدیث کا مسلک حنفیہ سے مختلف ہے ان کو حاشیے پر لکھ دیا جائے ایسے مسائل زیادہ نہیں۔ زیادہ تر نماز کے فروعی امور میں۔ مثلاً متن میں یہ لکھا جاسکتا ہے کہ مقتدی آہستہ آمین کہے، حاشیے میں یہ لکھ دیا جائے کہ اہل حدیث آمین کو بالجہر کہتے ہیں[1] تب یہ رسالہ تمام سفیوں کے لیے یکساں مفید ہوگا۔

مولوی محفوظ الرحمٰن نامی (بہرائچ)

(نامی صاحب نے بچوں کے لیے ترجمہ قرآن کا ایک نصاب مرتب کیا تھا اور مولانا کی خدمت میں بھیجا تھا۔ درج ذیل خط اسی تحفے کے جواب میں ہے ۲۵ر جنوری ۱۹۵۱ء)

جناب محترم! تسلیم،

مولانا کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ آپ نے ایک اچھا تعلیمی سلسلہ مرتب کیا ہے۔ انہیں امید ہے کہ یہ مقبول ہوگا۔

محمد اجمل خاں

---

[1] اس مقام پر مولانا غلام رسول مہر نے مرتب کی تعلیم کے لیے نوٹ لکھ دیا تھا؛ اس سے استفادے میں قارئین بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ مہر صاحب لکھتے ہیں، (نہ صرف اہل حدیث) بلکہ شوافع اور مالکی بھی میرے علم کی حد تک آمین بالجہر کہتے ہیں۔ حنبلی بھی جہری قرأت میں بالجہر ہی کہتے ہیں۔

فاروق احمد عارف (نیپال گنج۔ راج نیپال)

(نیپال کے مسلمانوں کی اصلاح و تعلیم اور ان کی اقتصادی و سیاسی حالت سدھارنے کے لیے ایک مرکزی جامعہ قائم کرنا چاہتے تھے جس کا ذریعہ تعلیم نیپالی زبان ہو اور جس میں اسلامی تعلیمات کے ساتھ علوم جدیدہ اور صنعتی و زراعتی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کیا جائے۔ ۲؍فروری ۵۵ء)

آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ کوشش جاری رکھیے یہ بہت اچھا ہے کہ آپ علوم جدیدہ اور صنعت و زراعت پر بھی توجہ کر رہے ہیں۔

میر صابر علی پیرزادہ (ناسک)

(مکتوب الیہ کی تجویز تھی کہ حکومت کی طرف سے ایک قانون بنا دیا جائے جس کے ذریعے بزرگان دین کے عرسوں میں غیر شرعی رسوم و حرکات کا سدباب کیا جا سکے۔ ۲۶؍اپریل ۵۵ء)

جناب محترم! تسلیم،

مولانا فرماتے ہیں کہ گورنمنٹ ان معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ یہ اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ عام لوگوں میں اصلاحی خیالات کی اشاعت کی جائے اور انہیں آمادہ کیا جائے کہ مزاروں پر اس طرح کی باتیں نہ کی جائیں۔ اگر گورنمنٹ آج اس چیز میں مداخلت کرے گی تو کل وہ دوسرے مذہبی کاموں میں مداخلت کر سکتی ہے۔ اس کا دروازہ کھولنا کسی طرح صحیح نہ ہوگا۔

محمد اجمل خاں

مولوی عبدالقیوم ندوی (لکھنؤ)

(ندوی صاحب اور ان کے بعض دوستوں کی تجویز تھی کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالماجد دریا بادی اور دیگر مقتدر علمائے دین پر مشتمل ایک بورڈ بنا دیا جائے جو دینی امور کا نگران ہو۔ یہ بورڈ مخالفین اسلام کی جانب سے اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات کو معلوم کر کے ان کا جواب دے۔ قرآن فہمی کے سلسلے میں رکاوٹوں کو دور کرے اور ان رکاوٹوں کو بھی دور کرے جو اطاعت قرآن و سنت کی راہ میں حائل ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۱۰؍فروری ۵۳ء)

مولانا کے خیال میں کسی ایسے بورڈ کا بنانا غیر ضروری ہے جمیت العلماء موجود ہے اور اس طرح کے تمام معاملات اس کے دائرہ عمل میں داخل ہیں۔ علاوہ بریں دینی علم و عمل کا ذوق اس طرح کے

طریقوں سے نہیں پیدا کرایا جا سکتا یہ کام کسی بورڈ کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا اشخاص کے ذریعے سے ہو سکتا ہے جو خود صاحب علم و عمل ہوں ۔[1]

خواجہ حسن نظامی (دہلی)

خواجہ صاحب نے لکھا تھا کہ حاجی محمد ضامن صاحب نے درگاہ حضرت خواجہ نظام الدین میں خاص اس موقع پر چلے شروع کرا دیے ہیں جب کہ قاضی سید صفدر علی مشاعرے کراتے تھے قاضی صاحب کے قدیمی حق کی طرف توجہ فرمانے کی مولانا سے درخواست کی گئی تھی ۲۸ رجون ۱۹۵۲ء)

مولانا نے تحقیقات حال کے لیے فرمایا (-) معلوم ہوا کہ ضامن صاحب اپنے آپ کو ہیڈ پریسٹ کہتے ہیں۔ معلوم نہیں اس سے ان کی کیا مراد ہے۔ خلاف مسلک مشائخ وہ حکومت کے افراد کو درگاہ میں بلا کر عمامہ و خلعت سے سرفراز کرتے رہتے ہیں۔ بہر حال یہ بھی ایک دلچسپ قسم کی پیری ہے۔ معاملے کی تحقیقات ہو رہی ہے۔

اجمل

---

[1] اس سوال کے سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر صاحب نے مسئلے کے ایک دوسرے پہلو پر ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے :

"نیز ۱۹۵۳ء میں یعنی تقسیم ملک کے بعد سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا عبدالماجد اور سید سلیمان ندوی مرحوم پر مشتمل بورڈ کیوں کر بن سکتا تھا؟ مودودی صاحب پاکستانی، مولانا سید سلیمان بعد ہجرت پاکستانی اور مولانا ماجد ہندوستانی" مولانا آزاد ہندوستان کے وزیر تعلیم، بعد میں مولانا عبدالقیوم ندوی بھی ہجرت کر کے پاکستان تشریف لے گئے تھے۔

رسوم

* فاتحہ، نذر و نیاز
* یوم میلاد النبیؐ
* سلام و قیام فی المیلاد

عبدالرشید خادم (ولید پور۔ ضلع اعظم گڑھ)

(نیاز اور فاتحہ کے بارے میں علمائے دیوبند اور بریلوی مکتب فکر کے مولویوں کے اختلاف کے تذکرے کے ساتھ مولانا سے اس کی شرعی حیثیت دریافت کی تھی۔ ۱۹؍اپریل ۵۵ء)

آج کل جو رسمی طریقے نیاز کرنے کے رائج ہو گئے ہیں مثلاً بزرگوں کا سالانہ عرس کرنا، گیارھویں کی نیاز کی مجلس کرنی اور اسی طرح کے دوسرے طریقے۔ ان کی کوئی شرعی اصلیت نہیں ہے۔ ایک رسم قائم ہو گئی ہے اور لوگ کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیلات میں جانے کی فرصت نہیں۔

نامعلوم

(مولانا سے یہ دریافت کیا تھا کہ فاتحہ کا کھانا جو انبیاء علیہم السلام اور بزرگانِ دین کی روح کو ایصال ثواب کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ مسکینوں اور یتیموں کے علاوہ صاحب ثروت لوگوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟)

آج کل جس طریقے سے فاتحہ اور نیاز کیا جاتا ہے اس کی بنیاد رسم پر ہے نہ کہ شریعت پر۔ اگر مقصود خیرات ہے تو وہ مستحقوں کا حصہ ہے نہ کہ خوش حال اور ذی استطاعت اصحاب کا۔ اگر معاشرتی طریقے پر ایک شخص دوست احباب کو مدعو کرتا ہے اور کھانا کھلاتا ہے تو اس میں کوئی بات قابل اعتراض نہیں ہے لیکن اگر اسے ایک مذہبی عمل کی شکل دی جاتی ہے تو جب تک اس کی سند کتاب و سنت سے نہ ملے وہ قابل اعتراض ہے۔

محمد حسن (کراچی)

(دریافت یہ کیا تھا کہ ۲۲ رجب المرجب کی پوریوں، کونڈوں کی رسم اور میت کی فاتحہ کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ نیز یہ دریافت کیا تھا کہ آیا نذر و نیاز کی چیزوں کو کھانا حرام ہے؟۔ یکم مارچ ۵۵ء)

شریعت میں اس طرح کی باتوں کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ محض ایک رسمی چیز ہے لیکن یہ کہنا شدت سے خالی نہ ہو گا کہ اس کا کھانا حرام۔ البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس قسم کی رسمی چیزوں کی ہمت افزائی نہ کی جائے اور شرکت سے اس میں احتراز کیا جائے۔

محمد قاسم (بلم کنڈہ)

(مستفتی نے مولانا سے ۲۹ سوالات کیے تھے ان یں سے مولانا نے صرف گیارہ سوالوں کے جواب دیے
ان میں سے چند یہ ہیں۔ دیگر سوال و جواب دوسرے عنوانات کے تحت آئے ہیں۔
(۱) کھانا، شیرینی، پھل وغیرہ پر کسی پیغمبر یا کسی بزرگ کی فاتحہ دی جا سکتی ہے؟
(۲) فاتحہ کھانا سامنے رکھ کر دی جائے یا کھانا کھانے کے بعد دی جائے؟
(۳) کیا کسی پیغمبر یا کسی پیر یا ولی کے نام پر بکرا چھوڑنا اور اپنی مرادیں مانگنا اور مراد پوری ہونے پر وہ بکرا ذبح کر کے کھانا اور کھلانا جائز ہے؟ ۵ر مارچ ۱۹۵۲)

(۱) ہاں خیرات کی نیت سے
(۲) خیرات کے لیے
(۳) شرک ہے۔

عطر النساء خانم (سہجنوال ضلع گورکھپور)

(سائلہ نے اپنے گاؤں کے حالات لکھے تھے کہ انتہائی نادار مسلمانوں کی بستی ہے جہاں بہت سے مسلمانوں کو پیٹ بھر روٹی بھی میسر نہیں آتی لیکن یہاں ہر سال عید میلاد النبیؐ کا جلسہ ہوتا اور سیکڑوں روپے جلسے گاہ کی زینت اور بیرونی لوگوں کے کھلانے پر صرف کر دیے جاتے ہیں اور غریب لوگوں کے حالات نظر انداز کر کے انہیں چندے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے اور وہ کچھ خدا کے خوف سے کچھ لوگوں کی شرم سے چندہ دیتے ہیں۔ یہ حالات لکھنے کے بعد سائلہ نے عید میلاد النبیؐ کے جلسوں کی شرعی حیثیت دریافت کی تھی۔)
۱۹ ر ستمبر ۱۹۵۵ء

اسلام نے صرف دو عیدیں قرار دی ہیں۔ شوال کی پہلی اور ذی الحجہ کی دسویں تیسری عید کوئی نہیں۔ اس لیے مولود کا جلسہ عید میلاد النبیؐ کے نام سے کرنا ایک بے اصل عقیدے کو پھیلانا ہے اور یہ سمجھنا کہ اس طرح کے جلسے تبلیغ دین کا ذریعہ ہیں صحیح نہیں ہے۔
زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسی تقریب ہے کہ اگر اسراف کیے بغیر کی جائے اور اس میں آنحضرتؐ کی زندگی کے حالات سنائے جائیں تو اسے ایک غیر شرعی مگر مناسب طریقہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ چیز کہ اس میں حد سے زیادہ اہتمام و تکلف کرنا اور غریب آدمیوں کی روزی حاصل کر کے اسے جلسہ گاہ سجانے

اور کھانے پینے میں خرچ کرنا کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے اگر اس طرح کا جلسہ کرنا ہے تو اس کے لیے مٹھائی اور کھانوں کا اہتمام کرنا کیوں ضروری سمجھا جائے جس طرح وعظ کے جلسے ہوتے ہیں اسی طرح اسے بھی ایک جلسہ تصور کیا جائے۔

بہر حال یہ یاد رکھیے کہ یہ کوئی شرعی عمل نہیں ہے۔ صدر اول میں اس طرح کے مولود کے جلسوں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ چوتھی صدی ہجری سے بعض بادشاہوں نے اسے شروع کیا اس کو ایک عام مستحسن فعل سمجھ کر کیا جا سکتا ہے لیکن خرچ اور اہتمام کی جو حالت آپ نے لکھی ہے وہ نہایت درجہ قابل اعتراض ہے اور اسراف بے جا میں داخل ہے۔

(امین سلونوی (لکھنو)

(امین صاحب نے یوم میلاد النبی کو "عید میلاد" لکھا تھا اور مولانا سے یوم میلاد کی تقریب میں شرکت کی درخواست کی تھی۔ ۱۷ر اکتوبر ۵۵ء)

اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں اسے یوم میلاد النبیؐ کہیے۔

ایس حبیب اللہ (کوآتھ ضلع شاہ آباد۔ بہار)

(کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے جو میلاد شریف میں قیام و سلام کا منکر ہو اور میلاد کو جنم کنھیا سے تشبیہ دیتا ہو؟ ۱۶ر ستمبر ۵۶ء)

میلاد النبی صلی اللہ وآلہ وسلم کی مجلس کا خیر القرون میں وجود نہیں تھا۔ بعد کو اس کا احداث ہوا۔ اس لیے اگر ایک شخص اس خاص ہیت کی مجلس کو مناسب نہیں سمجھتا تو اس پر لعے ملامت نہیں کر سکتے اس کے پیچھے نماز درست ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کو آنحضرتؐ کے ذکر سے اور فضائل کے بیان سے انکار نہیں ہے، اس خاص ہیئت سے انکار ہے جو ان مجالس نے اختیار کر لی ہے۔

قادیانیت

- ★ جیل میں مطالعہ
- ★ وکیل (امرتسر) کا نوٹ
- ★ سالک مرحوم کی غلط فہمی

مولانا عبدالماجد دریا بادی (دریاباد ضلع بارہ بنکی)

جناب محترم! تسلیم،

مولانا کو نسخہ[1] مرسلہ پہنچ گیا۔ غالباً مولوی ابوالحسن علی صاحب نے صدق جدید ۲۸ جنوری کا پرچہ مجھے بھیجا ہے اس کے آخری صفحے میں امام جماعت احمدیہ (ربوہ) کی تقریر سے یہ خبر نقل کی گئی ہے کہ "مولانا ابوالکلام صاحب جب جیل میں تھے تو حکومت نے انہیں صرف ایک اخبار منگانے کی اجازت دی۔ انہوں نے الفضل کے متعلق کہا کہ میرے لیے الفضل منگانے کا انتظام کیا جائے[2]" یہ پڑھ کر میں نے مولانا سے حقیقت حال دریافت کی انہوں نے فرمایا کہ "عمر بھر میں کبھی ایسے اخبار کا جس کا نام الفضل ہو پڑھنے والا نہیں رہا ہوں" اور یہ واقعہ بھی سرے سے غلط ہے کہ جیل میں انہیں صرف ایک اخبار منگوانے کی اجازت دی گئی۔ مولانا نے فرمایا جب میں رانچی میں نظر بند تھا تو ۵، ۶ انگریزی روزانہ اخبار میرے پاس آتے تھے۔ علی پور سنٹرل جیل کلکتہ میں گورنمنٹ کی طرف سے "اسٹیٹس مین" مجھے ملتا تھا۔ اور امرت بازار پتر کا" اور "فارورڈ" میں خود منگواتا تھا۔ احمد نگر قلعے میں ابتدا میں بندش رہی۔ اسکے بعد جب بندش دور ہو گئی تو جتنے اخبار ہم چاہتے تھے وہ برابر ہمارے پاس آتے تھے۔ علاوہ بریں جیل میں مطالعے کیلئے ضرورت ہوتی ہے کہ روزانہ اخبارات کا مطالعہ کیا جائے۔ وہاں اردو کے ایک ہفتے وار یا ماہوار مذہبی رسالے کے منگوانے کا وہم و گمان بھی کسی کو نہیں ہو سکتا اور وہ بھی قادیان کا معلوم نہیں "الفضل" ماہوار ہے یا ہفتے وار لیکن بہر حال روزانہ نہیں ہو سکتا ہے افسوس ہے کہ ایک صاحب جو اپنے آپ کو اپنی جماعت کا امیر قرار دیتے ہیں، ایسی غلط اور بے پر کی بات اپنی تقریر میں کہتے ہیں۔

محمد اجمل خاں

---

[1] مولانا دریا بادی نے اپنی تصنیف "اکبر نامہ" مولانا آزاد کی خدمت میں بھیجا تھا۔ [2] یہ بات ۲۸ دسمبر ۱۹۵۴ء کو ربوہ کے سالانہ جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہی گئی تھی اور الفضل ہی کے حوالے سے صدق جدید نے نقل کی تھی اس بیان کا آخری جملہ یہ تھا،

"واقعات بتاتے ہیں کہ اگر اخبار کو دلچسپ اور مفید بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کی نہ صرف اپنوں میں بلکہ غیروں میں بھی کتنی اشاعت ہو سکتی ہے" الفضل کے لیے یہ بیان اس لیے بھی دلچسپی کا باعث بنا کہ ایک غیر شخص بھی اس کے مطالعے کا شائق تھا مولانا دریا بادی کے پیش نظر صرف روایت کی تحقیق ہی نہ تھی بلکہ معاصر موصوف کے لیے "شرف و فضل" کی آرزو بھی تھی۔ چنانچہ مذکورہ روایت کو نقل کر دینے کے بعد لکھتے ہیں،

"روایت عجیب جتنی بھی ہو اگر اس کی تفصیلات معلوم ہو جائیں کہ یہ کس زمانے کا ذکر ہے مولانا اس وقت کس جیل میں تھے؟ اور یہ روایت آیا خود مولانا کی بیان کی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ وغیرہا۔ تو یقیناً اس سے معاصر موصوف کو شرف و فضل کی ایک سند ہاتھ آ جائے گی مولانا جیسے صاحب ذوق و صاحب نظر کی انتخاب میں آ جانا کوئی بہت معمولی سی بات نہیں"۔ (صدق جدید، لکھنؤ، ۲۸ جنوری ۵۵ء ص ۲ و ۸)

اب جو مولانا دریابادی کا مولانا کے نام خط پہنچا تو مناسب معلوم ہوا کہ اس بے اصل روایت کی حقیقت بیان اور مولانا دریا بادی کی غلط فہمی دور کر دی جائے۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا اسی زمانے میں مولانا آزاد کے نام خط اور اس روایت کا تراشہ اس ضروری تردید کے لیے تحریک بن گیا۔

مولانا غلام رسول مہر (لاہور)

(مولانا عبدالمجید سالک کی کتاب "یاران کہن" مکتبہ چٹان سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں مولانا کے تذکرے میں بعض باتیں خلاف واقعہ سالک صاحب کے قلم سے نکل گئی تھیں۔ خط میں اسی طرف اشارہ ہے۔)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۳ فروری ۱۹۵۶ء

برادرم محترم، تسلیم

میں آپ کے گذشتہ خط کا جواب دے چکا ہوں، حضرت مولانا ان دنوں بہت مصروف ہیں۔ پھر ادھر کانگریس میں جانا ہے۔ اس کے بعد پارلیمنٹ شروع ہے۔ غرض کہ مصروفیت ہی مصروفیت ہے جونہی وہ کچھ لکھ دیں گے آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔

ضرورت تحریر یہ ہے کہ مولوی عبدالمجید سالک صاحب نے کوئی کتاب "یاران کہن" لکھی ہے جس میں بعض بے بنیاد باتیں مولانا کے متعلق درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان کی کتب سے بہت متاثر ہوئے یا جنازہ کے ساتھ قادیان گئے وغیرہ[1]

دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ خود سالک صاحب اس کی تردید کر دیں، وکیل میں مرزا غلام احمد کی وفات پر جو مقالہ افتتاحیہ چھپا تھا وہ منشی عبدالمجید کپورتھلوی کا لکھا ہوا تھا مولانا کا اس اداریہ سے کوئی تعلق نہ تھا[2]

"سیرت رسول عربی"[3] کی رسید ابھی نہیں آئی امید کہ پہنچ گئی ہو گی اور آپ کا مزاج بخیر ہو گا۔

ممنون ہوں گا اگر اس خط کی رسید آپ بھیج دیں۔

نیازمند

محمد اجمل خاں

---

(۱) اشارہ مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت و مسیح موعود کی جانب ہے۔

(۲) مولانا مہر صاحب نے اس خط کا ضروری حصہ ہفت روزہ چٹان میں شائع کرا دیا تھا اور مولانا عبدالمجید سالک مرحوم نے اپنی غلط فہمی کا اعتراف کر لیا تھا اسی سلسلے میں سالک صاحب نے ایڈیٹر چٹان شورش کاشمیری کو جو خط لکھا اور اجمل خاں صاحب کے نام کا جو خط اشاعت کے لیے بھیجا تھا اسے چٹان مورخہ ۲۰ فروری ۵۶ء کے حوالے سے اگلے نقل کیا جاتا ہے۔

(۳) اجمل خاں صاحب نے ایک کتاب مرتب کی تھی اس کی جانب اشارہ ہے۔

مکتوبات سالک

(۱)

بنام شورش کاشمیری (ایڈیٹر چٹان لاہور)

مسلم ٹاؤن۔ لاہور

۱۳/ فروری ۵۶ء

عزیزم مکرم حضرت آغا صاحب۔ السلام علیکم

میں نے آج مولوی اجمل خاں صاحب پرائیویٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمت میں ایک مکتوب بھیجا ہے جس کی نقل آپ کو بھیجتا ہوں۔ ازراہ کرم چٹان کے آئندہ پرچے میں درج کر دیجیے۔

میں نے تو محض چند باتیں جو میرے حافظے میں محفوظ تھیں بے تکلف لکھ دی تھیں ورنہ احمدیت کی حمایت یا احمدیت کی طرف مولانا کے رجحان کا اظہار حاشا و کلا مقصود نہ تھا بہرحال اس مختصر مکتوب کی اشاعت کے بعد یہ قصہ ختم ہو جانا چاہیے۔ والسلام

سالک

۲

بنام اجمل خاں صاحب

مکرم و محترم اجمل صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے آپ کے ایک مکتوب کا اقتباس "چٹان" میں پڑھ کر بے حد صدمہ ہوا اس لیے کہ حضرت مولانا کی خدمت اقدس میں مجھے ۱۹۱۵ء سے نیاز حاصل ہے اور چالیس اکتالیس سال کی اس طویل مدت میں ایک لمحے کے لیے بھی حضرت کے ساتھ میری عقیدت کبھی کم نہیں ہوئی اور انشاءاللہ تادم مرگ ہرگز اس جذبے میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ مذکورہ مکتوب سے مجھ پر حضرت مولانا کی شان میں غلط بیانی کا الزام عائد ہوتا ہے جو میرے لیے بے حد کرب و اذیت کا باعث ہوا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے انتقال پر ۴۸ برس گزر چکے ہیں اور احمدیوں نے سینکڑوں دفعہ اس شذرے کو جو مرزا صاحب کے انتقال پر وکیل (امرتسر) میں چھپا تھا شائع کر کے فائدہ اٹھایا ہے لیکن نصف صدی کے اس مدت میں مولانا کی طرف سے کبھی یہ ارشاد نہ ہوا کہ یہ شذرہ آپ کا لکھا ہوا نہ تھا (۱) چونکہ حضرت مولانا اس زمانے میں وکیل کے مدیر تھے اس لیے اخبار بینوں کے نزدیک اس کے مندرجات کی مسئولیت بھی آپ ہی پر ہے (۲)

---

(۱) جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ قادیانیوں نے یا کسی اور نے جو کچھ لکھا وہ مولانا کی نظر سے گزرا تھا یا کسی نے اس جانب توجہ بھی دلائی تھی اس وقت تک یہ شکایت نہیں کی جا سکتی کہ مولانا خاموش رہے اور اس کی تردید نہ کی۔ قادیانی لٹریچر کا ایک خاص حلقہ ہے اس لیے ضروری نہیں کہ باہر کی دنیا کو بھی اس کی ہر بات کا پتا چلے اور خود ان میں سے کوئی شخص مولانا سے اس بارے میں تحقیق کیوں کرنے لگا۔

(۲) اخبار بینوں کے نزدیک کسی تحریر کی مسئولیت خواہ کسی پر ہو لیکن ایسی صورت میں کہ ایک شخص برملا اظہار و اعلان کر رہا ہے کہ فلاں تحریر اس کی نہیں ہے بلکہ فلاں صاحب کی ہے تو اسے بلا رد و کد تسلیم کر لینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے احمدیوں نے ایک دو موقعوں پر بعض رواداراور ہمدرد احمدیوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا کے متعلق لکھا ہے کہ مولانا نے مرزا صاحب کے انتقال پر ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا اور جب مرزا صاحب کا جنازہ قادیان لے جایا جا رہا تھا تو مولانا ابوالکلام امرتسر سے بٹالہ تک لاش کے ساتھ گئے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ ان امور میں میرے حافظے نے میرا ساتھ نہ دیا ہو اور حضرت مولانا ہی کے وہ ارشادات درست ہوں جن کی بنا پر آپ نے شورش صاحب کو مکتوب لکھا بہر حال "مجھے" "یارانِ کہن" میں بیان کردہ واقعات کی صحت پر اصرار نہیں ہے اور میں آپ کی تردید کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ میں دہلی کلاتھ مل کے مشاعرے میں ۲۵ فروری کو دہلی آرہا ہوں انشاءاللہ آستانہ عالی پر حاضر ہو کر اعتذار پیش کروں گا حضرت مولانا کی خدمت میں آداب نیاز

سالک

---

(۳) رواداری اور انسانی ہمدردی تو کوئی گناہ کی بات نہیں اس سے عقیدے کی لچک مراد نہیں لی جا سکتی، جیسا کہ الفاظ خط سے متبادر ہوتا ہے پھر اگر اس رواداری اور ہمدردی کا راوی بھی قادیانی ہو تو اور بھی قابل اعتماد نہیں یہ قادیانی امت کی پالیسی کے عین مطابق ہے کہ اپنے ہمدردوں کی ایک طویل فہرست پیش کی جائے پھر اگر یہ کسی درجہ میں قابل توجہ ہو سکتی تھی تو سالک صاحب کے ان الفاظ نے کہ "جہاں تک یاد پڑتا ہے" اس روایت کو بھی شک کے درجے میں ڈال دیا۔ یہ بھی میرا خیال ہے کہ یہاں موقع روادار اور ہمدرد احمدیوں کا نہیں غیر احمدیوں کا ہے

(۴) قادیانیوں نے مولانا کے متعلق کچھ بھی لکھا ہو اور آئندہ بھی لکھتے رہیں لیکن مولانا کی تردید کے بعد اس کی حیثیت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے

(۵) سالک صاحب مرحوم نے مولانا کی تردید کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو حافظے کے ساتھ دینے یا نہ دینے کا امکان ہی خارج از بحث ہو جاتا ہے۔ لیکن میرا خیال ہے کہ قادیانیوں نے یقیناً یہی کہا ہو گا جو سالک صاحب کے قلم سے نکلا لیکن اگر وہ پورے یقین کے ساتھ لکھتے کہ مجھے بالکل یاد ہے میں نے یہی سنا ہے تب بھی مولانا کی تردید کے بعد وہ روایت قابل اعتماد نہ رہتی۔

شورش کاشمیری

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۴/ اپریل ۵۶ء

برادرم شورش صاحب! تسلیم

حضرت مولانا کو بہت افسوس ہے کہ جو ایسے صاحب ہیں کہ جن کو وہ اپنا عزیز سمجھتے ہیں انہوں نے بلا قصد اپنے کو غلط فہمی کی اشاعت کا ذریعہ بنا دیا۔ سالک صاحب نے کتاب "یارانِ کہن،، لکھی اور آپ نے اسے شائع کیا دو باتیں جو مولانا کی نسبت اس میں لکھی گئی ہیں قطعاً بے اصل ہیں،،

ایک یہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے انتقال پہ مولانا نے کوئی نوٹ اخبار وکیل میں لکھا،

دوسرے یہ کہ ان کے جنازے کے ساتھ گئے،

یہ دونوں باتیں یک قلم بے بنیاد ہیں۔ سالک صاحب نے اخبار میں تسلیم کر لیا ہے کہ یہ دونوں باتیں ناواقفیت میں ان کے قلم سے نکل گئیں۔ لیکن اخبار کے بیان سے کیا ہوتا ہے۔ کتاب فروخت ہو رہی ہے اور غلط فہمی پھیلتی جاتی ہے اس لیے وہ آپ سے توقع کرتے ہیں کہ ایک صفحہ چھاپ کر کتاب کے اندر لگا دیا جائے اور اس میں یہ بات صاف کر دی جائے کہ نادانستگی کی وجہ سے یہ دونوں باتیں لکھی گئیں جو قطعاً غلط ہیں۔ مہربانی کر کے اس کا انتظام کیجیے اور صورت حال سے مطلع فرمائیے[1] امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

راقم نیازمند

محمد اجمل خاں

---

[1] مولانا کی ہدایت کے مطابق فوری طور پہ ایک صفحہ چھاپ کر لگا دیا گیا اور چٹان کے ذریعے اعلان بھی کر دیا گیا تھا کہ جو حضرات کتاب خرید چکے ہیں وہ دفتر چٹان سے متعلقہ صفحہ منگوا لیں۔ دوسرے ایڈیشن میں مولانا کے حسب منشا ترمیم کر دی گئی تھی۔

مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (دہلی)

(" یاران کہن " ہی کے سلسلے میں ایک خط قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے توسط سے مولانا کی خدمت میں لکھا تھا۔ مولانا کی جانب سے یہ جواب حضرت سیوہاروی کی معرفت ہے۔ یکم فروری ۱۹۵۶ء)

جناب محترم! تسلیم،

حضرت مولانا کو یہ سن کر بے حد تعجب ہوا یہ باتیں غلط ہیں۔ مولانا اپنی زندگی کے کسی حصے میں مرزا غلام احمد کی تحریرات سے متاثر نہیں ہوئے نہ انہوں نے کوئی مضمون لکھا۔ اور نہ وہ جنازے کے ساتھ گئے۔ وکیل میں جو نوٹ نکلا تھا، وہ کپور تھلہ کے ایک صاحب مسٹر عبدالمجید کا تھا۔

مولانا کو خاص طور پر افسوس اس بات کا ہوا کہ سالکؔ صاحب نے عجیب بے بنیاد بات لکھی ہے۔ آپ اسے شائع کر سکتے ہیں۔

محمد اجمل خاں

حکیم محمد دین مبلغ مرزائے قادیان (حیدرآباد دکن)

(حکیم صاحب نے دریافت کیا تھا کہ سنا ہے مرزا غلام احمد کے انتقال پر وکیل امرتسر میں ایڈیٹوریل آپ نے لکھا تھا؟ ۲۵ رجولائی ۵۶ء)

یہ غلط ہے۔ مولانا نے نہیں مسٹر عبدالمجید کپورتھلہ کے ایک شخص تھے انہوں نے لکھا تھا مولانا کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بار بار اس کی تردید ہو چکی ہے۔

متفرقات

* دین فطرت
* مسلمانوں کی ناداری کا سبب
* عورت کی غلطی
* ایثار حضور صلی اللہ علیہ وسلم
* مسئلہ تحفظ ناموسِ رسول صلعم
* حضرت داؤد اور یہود و نصاریٰ
* کراماتِ شیخ عبدالقادر جیلانی
* عفو و بخشش
* چند تاریخی جوابات
* ورلڈ یونائیٹڈ گورنمنٹ اور ورلڈ کامن لینگوئج
* علی محمد باب اور اس کی تعلیمات

ڈاکٹر نور حسین (سیالکوٹ)

(ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا کہ اگر اسلام دین فطرت ہے تو مسلمانوں میں اتنی بے عملی کیوں ہے؟

۴ ستمبر ۱۹۵۴ء)

اسلام دین فطرت ہے یا نہیں اس کا فیصلہ صرف اس بات سے ہو سکتا ہے کہ خود اسلام کی تعلیم کو پرکھا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ لوگوں میں بے عملی کیوں ہے؛ تو اس کی ذمہ داری اسلام کی تعلیم پر نہیں ہو سکتی، لوگوں پر ہے۔ اس تیرہ سو برس کے اندر اس تعلیم کے جو نتائج نکلے وہ بھی ہمارے سامنے ہیں اور اب لوگوں کی بدعملی کے نتائج بھی ہم دیکھ رہے ہیں۔

الو الکلام (۱)

اکرام الحق خاں (سہسرام)

(اکرام الحق صاحب نے مولانا سے مندرجہ ذیل دو سوالات دریافت کیے تھے۔

(۱) مسلمان مسلمان ہونے کے باوجود غیر مسلموں کے مقابلے میں غریب نادار اور ان سے مغلوب کیوں ہے؟

(۲) کیا موت کے بعد روح کا تعلق اس کے اعزہ واقربا سے رہتا ہے؟ ۴ دسمبر ۱۹۵۴ء)

(۱) کہیں بھی قرآن نے دعویٰ نہیں کیا کہ مسلمان کتنی ہی غفلت، جہالت اور بے عملی میں مبتلا ہو جائیں مگر وہ غیر مسلموں پر غالب رہیں گے۔ غلبہ و مغلوبیت کے قدرتی اسباب وعلل ہیں اور وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں سب پر یکساں اثر انداز ہیں۔

(۲) اس بارے میں شریعت نے کوئی روشنی نہیں دی ہے۔

محمد سلیم الدین (لاہور)

("عورت کی ہر غلطی سوائے حرام کے قابل معافی ہے" اس بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی)

عورت ہو یا مرد اس کا ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے، سوائے شرک کے۔ شرک عقل انسانی کی توہین اور شرف انسانی کے منافی ہے۔ دوسرے گناہوں کی تعزیر بھی ہے اور استغفار بھی۔

۱؎ منقول از آجکل دہلی (ابو الکلام) آزاد نمبر

رفیق احمد

(بعض مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم، موئے مبارک اور جبۂ اقدس پائے جاتے ہیں
ان کی تاریخی حیثیت کیا ہے؟ کیا آنحضرت سے ان کی نسبت درست ہے؟ ۴ر اکتوبر ۵۴ء)

تاریخی حیثیت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔

حامد اللہ افسر (لکھنو)

(مذہبی رہنماؤں پر ایک کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کے متعلق دریدہ دہنی کا
ثبوت دیا گیا تھا۔ مسلمانوں نے اسلامی غیرت اور حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے اس قسم کی شر انگیزی کے نتائج
سے حکومت کو متنبہ کیا تھی کہ حکومت کو اس منحوس کتاب کے خلاف اقدام پر مجبور ہونا پڑا افسر صاحب نے اس
مرحلے میں مولانا کو یہ دو ضروری تجویزیں تحریر فرمائی تھیں۔

(۱) ممتاز مسلمانوں کی جانب سے ایک اپیل شائع ہو کہ مسلمان فی الحال کوئی جلسہ وغیرہ نہ کریں۔

(۲) مختلف مذہبوں کے نمائندوں کا ایک بورڈ قائم کیا جائے جو اس قسم کی شر انگیزیوں کا انسداد کرے۔

۴ر اکتوبر ۵۶ء)

مولانا فرماتے ہیں

جو بات آپ نے لکھی ہے وہ جمعیت العلما کر چکی ہے اور اب اصل کتاب کے متعلق جلسے نہیں ہو
رہے ہیں۔

مولانا اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ قانونی حیثیت سے مزید کیا کارروائی کی جائے امید ہے کہ
اس بارے میں وہ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔

ایلے وجور (سنگاپور)

(مولانا کو لکھا تھا کہ یہاں ایک ایسی فلم دکھائی جا رہی ہے جس میں حضرت داؤد علیہ السلام کا کردار قرآن میں
پیش کیے ہوئے ان کے کردار سے بالکل مختلف ہے اس لیے ہندوستان میں اسے روکنا چاہیے۔ ۱۲ر فروری ۵۶ء)

اس کے متعلق مولانا نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ حضرت داؤد علیہ السلام یہود و نصاریٰ کے نزدیک صرف
ایک بادشاہ ہیں لہٰذا ان تک اسلامی تعلیمات پہنچایئے اور بتایئے کہ الحکم والنبوۃ[1] سے قرآن کی کیا مراد ہے اور
نعجہ کا قصہ[2] توراۃ و قرآن میں کیا نظریہ پیش کرتا ہے۔

دونوں حاشیے اگلے صفحے پر

محمد قاسم (بلم کنڈہ)

(محمد قاسم نے دریافت کیا تھا کہ کیا حضرت شیخ عبد القادر گیلانی کی یہ کرامتیں صحیح ہیں کہ آسمان پر سے ملک الموت سے روحوں کو چھڑا لاتے تھے، شب معراج میں حضور کو اپنے کاندھوں کا سہارا دے کر براق پر سوار کرایا تھا اور وہ اپنے مریدوں کو عذاب قبر سے بچا لیتے ہیں اور ان سے مدد مانگنا جائز ہے؟ ایک سوال یہ تھا کہ کیا نزول مسیح کے بعد پیغمبروں کا نام لے کر صلوٰۃ بھیج سکتے ہیں؟ ۵ / مارچ ۵۲)

(۱) غیر اللہ سے مدد مانگنا اور کرامات پر اعتقاد خوش عقیدہ لوگوں کا ہوتا ہے۔

(۲) استفت قلبک

عبد السلام انصاری (امروہہ ضلع مراد آباد)

(انصاری صاحب نے اپنی پریشان حالی اور شکستہ دلی کا تذکرہ کیا تھا اور مولانا سے رہنمائی اور دستگیری کی درخواست کی تھی۔)

۸ / نومبر ۱۹۵۵ء

مولانا کے حالات ایسے نہیں ہیں کہ وہ آپ کو دہلی میں رہنے کا مشورہ دیں وہ جو کچھ آپ کو ہدایت دے سکتے ہیں وہ یہی ہے کہ حتی الامکان صاف ستھری زندگی بسر کیجیے، فرائض و سنن کی پابندی کیجیے اور معیشت کے لیے جو جائز طریقے میسر آسکتے ہیں انہیں کام میں لائیے وہ ہر حال میں آپ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

مرتضیٰ خان

(کسی خاص مقصد کے لیے دعائیں کیں متعدد وظیفے کیے لیکن مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو مولانا سے رہنمائی کی درخواست کی تھی)

خدا کے کارخانے میں انسان دخل نہیں دے سکتا۔ دعا کرنی چاہیے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔

---

۱ سورہ الانعام کی آیت ۸۹ کی طرف اشارہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اے پیغمبر یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب اور حکومت (الحکم) اور نبوت (کی نعمت) عطا فرمائی پھر اگر یہ (مشرکین عرب) اس نعمت سے انکار کرتے ہیں (تو انکار کریں۔ ان کے انکار سے کچھ بگڑنے والا نہیں) ہم نے اسکی (پیروی و حفاظت) ایک ایسے گروہ کے حوالے کر دی ہے جو (ان لوگوں کی طرح) سچائی سے انکار کرنیوالا نہیں ہے (بلکہ اس کا قدر شناس ہے)

۲ سورہ "ص" میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے (آیت ۱۷ تا ۲۴)

عبدالعزیز نور (بھاولپور، پاکستان)

(نور صاحب مدرسہ مظہر العلوم (کراچی) کے فارغ التحصیل تھے اور جامعہ عباسیہ (بھاولپور) میں زیر تعلیم تھے مولانا سے کوئی نصیحت تحریر فرمانے کی درخواست کی تھی۔ ۱۵/ اکتوبر ۵۳ء)

علم بغیر عمل کے بے کار ہے ہر موقع پر عمل کی ضرورت ہے۔

حکیم محمد اسحٰق حقانی (کراچی)

(حکیم صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ بسبب سیاسی اختلافات میں سنے سنائے الزامات دہرایا کرتا تھا اور آپ کی ذات پر رکیک الزامات خود بھی لگایا کرتا تھا لیکن ترجمان القرآن کے مطالعے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں میں عنداللہ آپ سے معافی کی درخواست کرتا ہوں ۱۲ فروری ۵۶ء)

لاتثریب علیکم الیوم۔ یغفراللہ لکم وھوارحم الرحمین[1]

سردار خاں (لاہور)

(سیاسی اختلاف کی بنا پر مولانا کی شان میں گستاخیوں اور غیر اخلاقی حرکتوں کی معافی مانگی تھی اور دعائے مغفرت کی التجا کی تھی ۲۷ دسمبر ۵۴ء)

مولانا معاف کرتے ہیں۔ لاتثریب علیکم الیوم یغفراللہ لکم وھوارحم الراحمین[2]

عزیز حسن بقائی (دہلی)

(مکتوب الیہ نے معلوم کیا تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ سید تھے یا نہیں؟) اور کسی ایسی کتاب کا نام معلوم کیا تھا جس میں ان کے نسب کا بیان ہو)

کوئی خاص کتاب مولانا نہیں بتا سکتے ہیں۔ صوفیہ کے تذکروں میں جستجو کرنی چاہیے[3]

نامعلوم

(مستفسر کا نام معلوم نہیں ہو سکا، سوالات بھی درج نہیں ہیں جوابات سے سوالات کا مفہوم معلوم ہو جاتا ہے)

۱۔ قسطنطنیہ پر حملہ حادثہ کربلا سے پیشتر کا ہے۔

[1،2] قرآن کی یہ آیت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب کہا (وان کنا لخطئین) (بلاشبہ ہم سراسر قصور وار تھے) تو حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا (ترجمہ) آج کے دن تم پر کوئی سرزنش نہیں (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخش دے وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے"

[3] بقائی صاحب مرحوم اس زمانے میں حضرت خواجہ صاحب پر ایک کتاب لکھ رہے تھے۔ جو بعد میں شائع ہو گئی۔

۲۔ تعاونوا علی البر والتقوی کا حکم عام ہے ہر شخص کے ساتھ نیک کام میں اشتراک و تعاون کیا جا سکتا ہے، اس میں مسلم کی خصوصیت نہیں۔

۳۔ ہجرت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ کیا تھا وہ صرف یہود کے ساتھ نہ تھا۔ اطراف کے مشرک قبائل کے ساتھ بھی تھا دیکھیے سیرت ابن ہشام وغیرہ۔

ڈاکٹر ابو العلی مہر (حیدر آباد سندھ)

(مہر صاحب نے دریافت کیا تھا کہ "ملا" کا اطلاق کامل العلوم حضرات پر کب سے شروع ہوا۔ یکم جون ۱۹۵۵ء)

جناب محترم!

مولانا فرماتے ہیں کہ صحیح زمانہ بغیر رجوع وتحقیق کے نہیں بتلایا جا سکتا۔ لیکن غالباً آپ کا یہ خیال صحیح ہے کہ پانچویں صدی کے بعد علمائے کے لیے یہ القاب مولوی اور مولانا عجمی ممالک میں شروع ہوا۔ ملاّ غالباً اسی کا مخفف ہے۔

محمد اجمل خاں

مسٹر آرتھر مور (سابق ایڈیٹر اسٹیٹس مین، کلکتہ و حال دہلی)

۴۔ لنگ اڈ ورڈ روڈ۔ نئی دہلی،

۹ر جولائی ۱۹۵۰ء

ڈیئر آرتھر مور!

میں نے آپ کا آرٹیکل علی محمد باب پر ہندوستان ٹائمز میگزین سیکشن میں اس وقت پڑھا آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ علی محمد باب نے ورلڈ یونائیٹڈ گورنمنٹ اور ورلڈ کامن لنگویج وغیرہ مقاصد کا اعلان کیا تھا۔ باب کی تعلیم میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ یہ آئیڈیا زفی الحقیقت بہاء اللہ نے سب سے پہلے اپنی کتاب "اقدس" میں پیش کیے اور اس وقت سے بہائی ازم ان کی دعوت دینے لگا۔

مسلمانوں میں شیعہ فرقے کا یہ عقیدہ ہے کہ بارھویں امام محمد عسکری زندہ غائب ہو گئے تھے اور آخری زمانے میں وہ پھر امام مہدی کے نام سے ظاہر ہوں گے۔ ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ امام کی غیبت کے دو دور ہیں ایک صغری یعنی چھوٹا پیریڈ اور دوسرا کبریٰ یعنی بڑا پریڈ۔ چھوٹا پیریڈ ستر برس کا تھا۔ اس پیریڈ میں امام

غائب کے پیغام اس کے ایجنٹوں کے ذریعے آتے رہتے تھے۔ اس کے بعد یہ پیریڈ ختم ہو گیا۔ بڑا پیریڈ شروع ہوا یہ بڑا پیریڈ ابھی تک جاری ہے۔

چھوٹے پیریڈ میں جن ایجنٹوں کے ذریعے امام کا پیغام آتا تھا انہیں "باب" کہتے تھے یعنی امام تک پہنچنے کا دروازہ۔

سید علی محمد[1] نے دراصل "مہدی" یا مہدی کے باب ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور اسی حیثیت سے اس کے پیرؤوں نے اسے قبول کیا تھا وہ یقین رکھتے تھے کہ بہت جلد تمام دنیا "باب" کے زیر اثر آجائے گی۔ "باب" کے لقب سے موسوم ہونے کی یہی علت ہے۔

باب کے بعد "صبح ازل" بھی اسی عقیدے پر قائم تھا۔ لیکن بہاء اللہ نے اسے نیا ٹرن دیا اور موجودہ بہائی دعوت کی بنیاد رکھی۔ بلاشبہ بہاء اللہ نے ایک ورلڈ پارلیمنٹ، ورلڈ فیڈرل گورنمنٹ، ورلڈ انٹرنیشنل لنگویج اور ورلڈ سپریم کورٹ کو اپنی تعلیم کا بنیادی اصول قرار دیا ہے۔

باب کے بعد بابیوں نے ہر طرح کے ناقابل تصور جسمانی عذابوں کے جھیلنے کی جو قوت ظاہر کی اور جس صبر و استقلال کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا فی الحقیقت وہ تاریخ مذہب کا ایک ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ اور ابتدائی عہد کے شہیدوں کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

(ابوالکلام آزاد دہند)

---

[1] پورا نام مرزا سید علی محمد شیرازی تھا۔

حصّہ دوم

ادبی

فہرست حصہ دوم

طابع

المخزن پرنٹرز (مکتبہ رشیدیہ)

پاکستان چوک، کراچی

(۱)

ایک کانگریسی کارکن

مائی ڈیر فرینڈ

خط کے لیے شکریہ۔ مگر افسوس ہے کہ میری اس سے تشفی نہیں ہوئی۔ بیتول کے اپر پرائمری اسکول کی نسبت جو حالات مجھے بتاتے گئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں :-

۱۔ بیتول میں سالہا سال سے یہ اسکول اور ایک گرلز اسکول قائم تھا لیکن میونسپل کمیٹی نے جس کے بیس ٹیچروں میں سے صرف ۲ مسلمان ہیں، دونوں اسکول بند کر دیے۔

۲۔ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو انجمن اسلامیہ بیتول نے پرائم منسٹر کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا اور اس میں اس معاملے کی شکایت کی۔ پرائم منسٹر نے اس کے جواب میں یقین دلایا کہ یہ شکایت دُور ہو جائے گی۔

۳۔ پرائم منسٹر کے اس اعلان کے بعد معاملہ پھر کمیٹی کے سامنے آیا اس نے ایک سب کمیٹی مقرر کی اور اسے اختیار دیا کہ غور کر کے آخری فیصلہ کرے۔ اس سب کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اسکول جاری کر دینے چاہییں لیکن کمیٹی نے اس کی رپورٹ پر کوئی کاروائی نہیں کی۔

۴۔ اب مسلمانوں نے گورنر اور منسٹروں سے اپیلیں کیں۔ اس پر کمشنر ضلع کو تصفیہ کے لیے مقرر کیا گیا۔ کمشنر نے میونسپل کمشنروں کو بلا کر اچھی طرح سمجھایا کہ اسکولوں کو جاری کر دینا نہایت ضروری ہے لیکن ان کی فرمائش بھی بے کار گئی اور کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

میں چاہتا ہوں کہ از راہِ مہربانی مجھے تفصیل کے ساتھ صورت حال سے مطلع کریں تاکہ میں ان لوگوں کو جواب دے سکوں جنہوں نے یہ معاملہ اُردو پریس میں شائع کرایا ہے۔

آپ لکھتے ہیں کہ اُردو اسکولوں میں حاضری کافی نہ تھی، اس لیے بند کر دیے گئے۔ براہِ مہربانی اس بارے میں بھی اعداد و شمار بہم پہنچایئے، تاکہ ہمارا جواب مسکت اور مضبوط ہو۔

ابوالکلام آزاد

(۲)

پنڈت سندر لال (الہ آباد)

(وکٹوریہ میموریل ہال کی ایک تصویر کے متعلق پنڈت سندر لال نے مولانا سے بعض باتیں دریافت کی تھیں۔
یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۳۸ء)

مکرمی تسلیم!

میں نے مولانا سے دریافت کر کے نام لکھ دیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ محمد یعقوب غدر سے پہلے دہلی کے شاہی اسکول کا مصور تھا۔ ملکہ کی فرمائش سے اس نے دربارِ قلعہ کا مرقع تیار کر کے بھیجا تھا۔ اکبر شاہ ثانی کا دربار بھی بنایا تھا۔ حقہ بھی اس نے بنایا تھا۔

نیازمند
محمد اجمل

(۳)

مولانا غلام رسول مہر (لاہور)

(۱)

نومبر ۳۸ء

جنابِ من تسلیم!

کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک بات جو صاف صاف لکھ دی گئی ہے اسے بالکل بدل کر دوسری شکل دے دی جاتی ہے اور اس پر بحث کی جاتی ہے۔ سی پی کے متعلق مولانا کا جو بیان نکلا ہے اس میں "ودیا مندر" کی نسبت ہے کہ "جن لوگوں نے اس معاملے پر زور دیا ہے، وہ یقیناً اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ حکومت نے "ودیا مندر" کے ساتھ "بیت العلم" کا نام بھی تجویز کیا تھا۔" یہاں تک انہوں نے صرف یہ بات دکھائی ہے کہ جو بیانات اس بارے میں نکالے گئے ہیں ان میں دیانت داری کے ساتھ پوری صورتِ حال نہیں دکھائی گئی ہے دیانت داری کا مقتضیٰ یہ تھا کہ حکومت کے مجوزہ دونوں ناموں کا ذکر کر کے پھر اس پر جو اعتراض چاہتے کرتے۔ اس کے بعد مولانا اس کے بارے میں لکھتے ہیں "بہر حال اس شکایت کا تشفی بخش فیصلہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ اور جب وہ سی پی جائیں گے تو اس بارے میں ضروری کارروائی عمل میں آئے گی۔"

اس سے معلوم ہوا کہ "بیت العلم" کا نام اس شکایت کے جواب میں تجویز نہیں کیا گیا ہے بلکہ اسے

آٹھ مہینے پہلے سی پی گورنمنٹ تجویز کر چکی تھی اور وہاں کی اسمبلی میں بھی اس کا اعلان ہو چکا تھا۔

اب جو کچھ مولانا نے اس کے بارے میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ شکایت نہایت آسانی سے رفع ہو جائے گی۔

مگر آپ انقلاب ۲۰ر نومبر کے لیڈنگ آرٹیکل میں اس طرح اس کا ذکر کرتے ہیں گویا ایک عربی نام اب رفع شکایت کے لیے مولانا نے تجویز کیا ہے اور پھر اس پر بحث کرتے ہیں۔

کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اشخاص کے اقوال صحت کے ساتھ نقل کیے جائیں۔

محمد اجمل خاں

۴

(۲)

۱۹ ر اکتوبر ۱۹۔ اکبر روڈ۔ نئی دہلی

۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۷ء

(مولانا مہر کے چھوٹے بھائی امیر احمد خاں علوی سناور (نزد کسولی) میں تھے وہ وہاں سے ایک قافلے کے ساتھ بال بچوں کو لے کر روانہ ہوئے لیکن راستے میں یہ خاندان دو حصوں میں بٹ گیا امیر احمد خاں کا لکا پہنچ گئے دنوں کے بعد کالکا سے ان کا ایک خط مولانا مہر کو ملا ان کے سلسلے میں مہر صاحب نے مولانا کو بھی لکھا اس خط میں اسی طرف اشارہ ہے بعد میں امیر احمد خاں اور ان کے بال بچے بہ خیریت لاہور پہنچ گئے)

برادرم تسلیم

پہلے خطوط کا جواب دے دیا گیا تھا اور حضرت مولانا نے فرمایا تھا کہ میں خود کارروائی کر دوں گا۔ بلکہ اس سلسلے میں شملہ ٹیلیفون بھی کیا گیا تھا معلوم نہیں آپ کے بھائی لدھیانہ پہنچے یا نہیں اور تعجب ہے کہ آپ تک خط کیوں نہیں پہنچا۔

راقم

محمد اجمل خاں

(۵)

(۳)

ایجوکیشن منسٹر انڈیا

۱۶ / اپریل ۱۹۵۱

عزیزی !۔

آپ کا خط مجھے فروری میں مل گیا تھا مگر میں یکے بعد دیگرے امراض میں مبتلا رہا اور آپ کو بروقت جواب نہ بھیج سکا آپ "ترجمان" کی طباعت کے لیے جو کوشش کر رہے ہیں اس کے لیے شکر گزار ہوں مجھے تین روپے رائلٹی منظور ہے صرف اتنی تبدیلی چاہتا ہوں کہ جس طرح پچھلا ایڈیشن چھ ہزار چھپا تھا نیا ایڈیشن بھی اتنی مقدار میں چھپے جہاں تک تیسری جلد کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں اس کی تعداد اس سے بھی زائد ہونی چاہیے جو لوگ پہلی دونوں جلدیں لے چکے ہیں وہ تیسری جلد بھی ضرور لیں گے اور نئے خریدار بھی مکمل سیٹ کے خواستگار ہوں گے اس پہلو پر غور کر لیجیے۔

میں پہلی فوراً دے سکتا ہوں دوسری بھی تیار ہے ان کی کتابت کا کام بلا تاخیر شروع ہو سکتا ہے اس کے بعد تیسری کا مسودہ مطلوب ہو گا

لیکن اب ایک دقت یہ پیش آ گئی ہے کہ میں ۳ / مئی کو انگلینڈ جا رہا ہوں جون کے آخر میں واپس آؤں گا جتنے دن اب اپریل کے باقی رہ گئے ہیں ان میں معاملے کی انجام دہی مشکل ہو گی بظاہر اس کے سوا چارہ کار نظر نہیں آتا کہ کام جولائی کے پہلے ہفتے میں انجام پائے۔

جولائی میں پہلی جلد دے دوں گا۔ ستمبر میں دوسری جلد یہ دونوں جونہی قریب الاختتام ہوں گی تیسری جلد کی طباعت شروع کر دی جائے گی۔

ہر جلد کی رقم مجھے علیحدہ علیحدہ وصول ہونی چاہیے چھ ہزار طباعت کا معاہدہ ہو گا

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابوالکلام

(۶)

(۴)

۴-کنگ ایڈورڈ روڈ،

نئی دہلی

دوشنبہ، ۱۶/اپریل، ۱۹۵۱ء

برادر محترم، تسلیم

گرامی نامہ ۶/مارچ کو ملا تھا۔ جواب دے دیا گیا تھا۔ امید ہے کہ مل گیا ہوگا۔ ان دنوں حضرت مولانا کی طبیعت ناساز رہی۔ اب خود انہوں نے اپنے قلم سے ایک مکتوب تحریر فرمایا ہے۔ جو مرسل ہے۔ (۱)

مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کو روپیہ پہنچ گیا ہے لیکن اس کے بعد انہوں نے آپ کو اپنے طور پر خط لکھا ہے اور اپنا مسودہ واپس مانگا ہے۔

میرا خلاصہ سیرت بھی تیار ہے، امید ہے کہ مئی جون میں اس کی اشاعت کی کوئی سبیل نکل آئے گی۔ اس زمانے میں مجھے فرصت ہوگی۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

(۷)

(۵)

۴-کنگ ایڈورڈ روڈ،

نئی دہلی

۹/مئی، ۱۹۵۱ء

مکرم و محترم جناب مہر صاحب، تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۶/اپریل پہنچ گیا اور حضرت مولانا کا خط انہیں دے دیا گیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ جو کتابیں ٹونک سے آئی ہیں ان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ آپ اپنی کتاب شائع کر دیں ان کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

---

(۱) پچھلے خط (یعنی نمبر ۳) کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ سیرت تیار ہے۔ رائل سائز کے ۵۷۳ صفحات ہوں گے۔ جو رائے ہو جلد لکھیے۔ ملیح آبادی[1] صاحب ملیح آباد گئے ہوئے ہیں۔ بہتر ہوتا کہ آپ انہیں براہ راست انڈین کلچرل کونسل، حیدر آباد ہاؤس (دہلی) کے پتے پر خط لکھ دیتے۔

اگر جواب خط نہیں تو کم از کم رسید فوراً بھیج دیجیے۔

راقم

محمد اجمل خاں

---

(۶)

۸

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ،

نئی دہلی

۲۰/ دسمبر ۱۹۵۱ء

برادر محترم، تسلیم

گرامی نامہ بلا تاریخ کل ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ آج کل کا موسم بھی اچھا ہے اور انہیں فرصت بھی ہے، آپ تشریف لا سکتے ہیں۔

کتابوں کے سلسلے میں یہ عرض ہے کہ پورے کتب خانے کو دہلی منتقل کرنے کا انتظام ہو رہا ہے جو ان شاء اللہ آئندہ سال تک ہو جائے گا[2]۔ مزید کتابیں نہیں آئیں۔

مولوی عبدالرزاق صاحب معالجات میں کامیاب ہو کر دہلی آ چکے ہیں[3]۔

نیازمند

اجمل

---

[1] اشارہ مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی کی طرف ہے۔

[2] حضرت مولانا کے ذاتی کتب خانہ کی طرف اشارہ ہے جو کلکتہ میں تھا۔ دہلی منتقل ہونے والا تھا بعد میں منتقل ہو بھی گیا تھا۔ مہر صاحب نے اسی کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ [3] مولوی صاحب مرحوم علاج کے سلسلے میں بمبئی گئے تھے وہاں سے لوٹ کر دہلی آئے تھے۔

(۹)

(۷)

۴۔کنگ ایڈورڈ روڈ ۔ نئی دہلی

۱۸ فروری ۱۹۵۳ء

برادرم محترم ۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۲۵ فروری ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ جب آپ کو مہلت ملے آپ آسکتے ہیں۔ ملیح آبادی صاحب کو سلام پہنچا دیا گیا وہ بھی سلام کہتے ہیں۔ سیرۃ قرآنیہ[۱] پر ابھی تک تبصرہ کہیں نہیں ہوا امید کہ وہ آپ دیکھ چکے ہوں گے۔

نیاز مند

اجمل

(۱۰)

(۸)

۳۰/ جولائی ۱۹۵۴ء

برادرم محترم ۔ تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۷/ جولائی پہنچ گیا تھا۔ منقولہ مضمون اور دوسرے کاغذات کا انتظار ہے جو اس مہینے کے آخر میں کسی صاحب کے ذریعے یہاں پہنچیں گے۔ اب یہ مہینہ کل ختم ہو رہا ہے۔ ان کے آنے پر ان کے ساتھ آپ کی کتاب کی نقل بھی روانہ کر دوں گا وہ نقل تیار ہے[۲] مگر کوئی صاحب ایسے نہیں ملے جن کے ہمراہ روانہ کرتا۔ پوسٹ آفس سے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔

یہاں تاریخ آزادی میں "وہابی تحریک" کا بھی ذکر ہے اس سلسلے میں آپ کی معلومات بہت کار آمد ہو سکتی ہیں آپ کچھ اشارات فرمائیں تو یہاں ہسٹری لکھنے والوں کو ادھر تحقیق کرنے پر لگا دیا جائے۔

۱؎ سیرۃ قرآنیہ اجمل خان صاحب کی تصنیف ہے۔ متعدد خطوط میں اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

۲؎ مولانا مہر کو دہلی میں موجود ایک کتاب کی نقل کی ضرورت تھی۔ یہ نقل اجمل خاں کی معرفت کرائی گئی تھی۔ یہاں اسی کی طرف اشارہ ہے، آیندہ خطوں میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔

ڈاکٹر سید محمود صاحب اس سلسلے میں ۱۴ راگست سے دہلی آجائیں گے سیرت کی کتاب اس ماہ مکمل ہو جاتے گی۔ چربون کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لیے کہ پلیٹوں کا انتظام ہوگیا ہے حضرت مولانا دعائے خیر فرماتے ہیں۔ یہاں بارش کے بعد موسم بہت اچھا ہوگیا ہے۔ آپ جب چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔

نیاز مند

اجمل

---

(۹)

۳۰ر اکتوبر ۱۹۵۴ء

برادرم محترم۔ تسلیم

مولانا کو آپ کی بیماری کا حال معلوم ہو کر افسوس ہوا وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو جلد شفا دے اگر آپ کے پاس وہ جلد ہے جس میں چاروں نمبر ہیں تو چند دنوں کے لیے عاریۃً دیدیں۔ مولانا دیکھ کر واپس کر دیں گے یا جس شخص کی جلد سے نقل کیا جائے وہ عاریۃً دے دیں اگر وہ چاہیں کہ اس کا کچھ معاوضہ ملے، تو مولانا اس کے لیے بھی تیار رہیں (۱)

نیاز مند

اجمل

---

(۱۰)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۸ر دسمبر ۱۹۵۴ء

برادرم۔ تسلیم

آپ کا پوسٹ کارڈ ملا تھا۔ اس میں کوئی بات جواب طلب نہ تھی بیماری کے لیے دست بدعا

---

(۱) الم ترا الی الذی حاج ابراہیم الخ کے متعلق ایک سوال کے جواب میں مولانا نے ایک تفسیری مقالہ تحریر فرمایا تھا جو الہلال دور ثانی (۱۹۲۷ء) کے چار نمبروں میں شائع ہوا مولانا کو انہی چار نمبروں کی ضرورت تھی مولانا یہ مقالہ سورہ فاتحہ کی تفسیر میں شامل کرنا چاہتے تھے۔ مولانا مہر نے اس مقالے کی نقل مہیا کر دی تھی پھر یہ نمبر بھی بھیج دیے تھے۔

تھا اور ہوں۔ آنے کے متعلق پوچھنے کی ضرورت نہیں آپ کا گھر ہے جب جی چاہے آئیے حضرت مولانا اور میں اوائل جنوری میں یہیں ہوں گے۔

میں نے پہلے بھی لکھا تھا اب پھر گزارش ہے کہ حضرت مولانا شکر گزار ہوں گے اگر الہلال بار دوم کا وہ نمبر ساتھ لا سکیں جس میں حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت والا مضمون نکلا تھا اگر یہ قیمت ملے تو مولانا قیمت دینے کو تیار ہیں ورنہ عاریتہً ایک ماہ کے لیے مل جائے پھر واپس کر دیں گے۔

کتابیں امید ہے کہ روانہ کر دی ہوں گی آپ کے اور کتابوں کے لیے چشم براہ ہوں۔

مولوی عبدالرزاق صاحب کو حلق کا سرطان ہو گیا تھا جلد علاج پر توجہ ہوئی ایک ماہ میں بمبئی سے اچھے ہو کر آ گئے۔ بجلی کے اثرات ابھی باقی ہیں عود کرنے کا خطرہ نہیں ہے۔

مولانا آپ کی اس بے مثل کتاب کو شوق سے مطالعہ فرمائیں گے (۱)

نیازمند

اجمل

---

(۱۱)

(۱۳)

۶ر جنوری ۱۹۵۵ء

برادرم محترم - نیا سال مبارک

حضرت مولانا ۱۲ر جنوری کے بعد آخر ماہ جنوری تک دہلی میں نہ رہیں گے لہٰذا اوائل فروری میں یہاں آنے کا قصد کیجیے۔

آپ کی کتابیں اب تک یہاں نہیں پہنچیں۔

اس سے پہلے ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں "الہلال" وغیرہ کے مکمل فائلوں کو جو آپ کے پاس ہیں یہاں لانے کا ذکر ہے۔

امید ہے کہ دونوں خطوں کی رسید سے مطلع فرمائیے گا اور خیریت مزاج کی بھی خبر دیجیے گا۔

نیازمند اجمل

---

(۱) "سید احمد شہید" کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۲)

(۱۴)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۲۱رمئی ۱۹۵۵ء

برادرم محترم۔تسلیم

حضرت مولانا ۲۲رمئی کو بمبئی تشریف لے جائیں گے اور وہاں سے ۲۵رمئی کو بذریعہ اسٹیمر لندن روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں سے فرانس، سوئٹزرلینڈ، اٹلی ہوتے ہوئے دو تین ہفتے کے بعد واپس ہوں گے آپ اس درمیان میں ہائی کمشنر لندن کے ذریعہ ان کا پتا معلوم کر سکتے ہیں۔

آپ کی کتابیں ابھی نہیں پہنچیں نہ آپ کے آنے کی امید ہے آپ نے جو کتاب نقل کرائی تھی وہ مسودہ رکھا ہوا ہے جو صاحب سیرۃ سید احمد شہید لائیں گے انہیں دے دیا جائے گا۔ کاتب صاحب اجرت کے جلد خواہش مند ہیں۔

۹۴۔۱۸۹۳ء کے جن پرچوں کے متعلق آپ نے لکھا ہے ان کی ضرورت حضرت مولانا کو نہیں ہے۔ سیرۃ قرآنیہ کتابت شدہ تیار ہے۔ طباعت میں کاغذ کی قلت کی وجہ سے تعویق ہے۔ زیادہ نیاز: دعا ہے کہ آپ جلد صحت پاکر ہند آسکیں۔

راقم

محمد اجمل خاں

(۱۳)

(۱۵)

۴۔کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۹ر اگست ۱۹۵۵ء یوم جمعہ

برادرم محترم تسلیم

گرامی نامہ مورخہ ۱۳ر اگست ملا۔ اس سے پہلے بھی ایک کرم نامہ ملا تھا جس سے یہ ترشح ہوتا تھا کہ آپ

بہت جلد ولایت جانے والے ہیں (۱)

آج کے خط میں آپ نے اپنی صحت کا حال نہیں لکھا خدا کرے آپ اچھے ہو گئے ہوں۔

عبدالرزاق ملیح آبادی صاحب کا لاہور جانے کا کوئی ارادہ نہ تھا نہ ہے اب وہ اپنے سرطان سے بالکل بچ گئے ہیں اور تندرست ہیں البتہ ان کا ستارہ ضرور برج سرطان میں ہے۔

عامر انصاری صاحب نے آپ کے لیے کتاب کی نقل کی ہے وہ نقل بذریعہ سرکار آپ کے پاس کل پرسوں میں پہنچ جائے گی۔ رسید سے مطلع فرمائیے گا۔ نقل کرنے کی اجرت کو انہوں نے آپ ہی پر چھوڑا ہے جو مناسب سمجھیے بھیج دیجیے وہ عنقریب عربی تعلیم کے لیے وظیفہ پر مصر جانے والے ہیں۔

حضرت مولانا نے آپ کی کتاب پڑھ ڈالی اور میں نے بہت پہلے پڑھ لی تھی(۲)۔ مولانا فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں بہت سی باتیں کہنی ہیں لکھنے کی مہلت نہیں بہتر یہی ہے کہ آپ کو مہلت ملے تو چند دنوں کے لیے دہلی آجائیں رسید خط سے مطلع فرمائیں۔

نیاز مند

اجمل

---

(۱۴)

(۱۶)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ ۔ نئی دہلی

۱۷ر ستمبر ۱۹۵۵ء

برادرم محترم زیدت المکارم ! تسلیم

۳۱ر اگست کا گرامی نامہ کاشف حالات ہوا تھا۔ میں نے عامر انصاری صاحب سے معاوضہ کتابت کے متعلق باصرار پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ڈیڑھ روپے فی صفحہ کے حساب سے دو سو صفحوں کی کتابت تین سو روپے ہوتے ہیں چونکہ وہ ۲۳ر ستمبر کو مصر جانے والے ہیں لہذا اب انہوں نے یہ

---

(۱) مولانا مہر صاحب ولایت جانے والے تھے لیکن اہلیہ کی شدید علالت کی وجہ سے نہ جا سکے موصوفہ کی علالت کئی سال تک جاری رہی حتیٰ کہ ۱۱ر اگست ۱۹۵۷ء کو انتقال ہو گیا۔

(۲) سید احمد شہید کی طرف اشارہ ہے۔

بتایا ہے۔ پہلے کچھ بتاتے ہی نہیں تھے اگر ۲۲ر تک کچھ انتظام ہو سکے تو بہتر ہوگا۔

حضرت مولانا نے کوئی علیحدہ خط تحریر نہیں فرمایا وہ منتظر ہیں کہ آپ تشریف لائیں تو بالمشافہ گفتگو ہو اور جو کچھ وہ فرمانا چاہتے ہیں فرمائیں امید ہے کہ آپ کی بیگم صاحبہ کی طبیعت اب درست ہو گئی ہوگی اور آپ جلد دہلی آجائیں گے۔

کتاب کے متعلق میری ناچیز رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی میں جو کچھ لکھوں گا عقیدت سے لکھوں گا اور حضرت مولانا کی رائے کے سامنے اس کی کوئی حیثیت نہ ہوگی بہتر ہو کہ آپ ایک ہی رائے لکھیں اور وہ صرف مولانا کی رائے ہو۔

خوشی ہوئی کہ تیسری جلد بھی تیار ہو گئی ہے اور کتابت کے لیے جا رہی ہے[۵] باقی عندالملاقات۔

حضرت مولانا بفضلہ بخیریت ہیں یہاں موسم بہت اچھا ہے امید ہے کہ آپ جلد تشریف لائیں گے۔

نیازمند

اجمل

---

(۱۷)

(۱۵)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۷ر نومبر ۱۹۵۵ء

مکرم محترم۔ تسلیم

ابھی آپ کا کارڈ ۱۴ر نومبر کا مرسلہ پہنچا۔ مولانا کا کہیں باہر جانے کا پروگرام نہیں ہے آپ تشریف لائیں۔ رہ گیا نقل کتاب کی اجرت کا معاملہ تو وہ صاحب عرصہ ہوا مصر جا چکے ہیں ان کے بھائی یہاں ہیں جو مناسب ہو دے دیا جا سکتا ہے اگر جناب کو مولوی عبدالرحیم صاحب زمزم کمپنی لمیٹڈ لاہور کا صحیح پتا معلوم ہو تو تحریر فرمائیں انھیں ایک خط بھیجا گیا تھا جو واپس آگیا۔ اور اگر ان سے فون پر ملاقات ہو سکے تو فرما دیجیے گا کہ حضرت مولانا کی رائلٹی کی رقم بذریعہ بنک یا بذریعہ اشخاص دہلی روانہ کر سکتے ہیں نیز انھوں نے نہ پھر کوئی خط لکھا، نہ دہلی کے کسی صاحب نے کچھ لکھا۔ امید ہے کہ آپ بالکل اچھے ہو گئے ہوں گے اور جلد دہلی تشریف

۵؎ مولانا مہر کی معرکہ آرا تصنیف "سید احمد شہید" کی تیسری جلد، جو "جماعت مجاہدین" کے نام سے ہے، کی طرف اشارہ ہے۔

لائیں گے۔

نیاز مند

اجمل ۔ (۱)

سید حسن آرزو (پٹنہ)

(۱۸)

(مکتوب الیہ کے صاحبزادے سید محمود احمد کا ۱۰ر جون ۳۹ء کو انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے مولانا کو اس کی اطلاع دی تھی)

مولانا کو سخت رنج ہوا۔ وہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ زندگی کے یہ داغ ناگزیر ہیں۔ صبر و شکر کے سوا کوئی علاج نہیں۔ چند دن کے بعد یہ کرنا ہو گا۔ بہتر ہے کہ جلد کر لیں تاکہ اس کا اجر ملے۔

اجمل

لالہ پنڈی داس

(۱۹)

(کیتھل، ڈاکخانہ بکسر۔ ضلع سہارن پور)

(۱)

(لالہ جی نے سوری میں مولانا کے قیام کی مدت دریافت کی تھی۔ ۲۸ر اپریل ۱۹۴۰ء)

جناب محترم۔ تسلیم!

مولانا کا قیام ابھی چند دنوں مسوری ہی میں ہے۔

اجمل

(۲۰)

(۲)

(مولانا کے بھلنجے سید عبد الغنی کے انتقال پر اظہار تعزیت کے جواب میں۔ ۱۰ر مئی ۱۹۵۵ء)

خط کا شکریہ۔ جس بھتیجے کی وفات کا ذکر ہے وہ بھتیجا نہیں بھانجا تھا۔ سید عبد الغنی نام۔ متوفی نے عرصے تک کشمکش حیات کا مقابلہ کیا اور مسلسل ناکامیوں سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ مولانا نے نہیں چاہا کہ محض اپنے رشتے دار ہونے کی حیثیت سے متوفی کے لیے بھوپال میں کوئی جگہ ملازمت وغیرہ کی نکالتے۔

---

(۱) مولانا مہر صاحب کے نام ایک خط اور ہے جو اس مجموعہ کے حصہ اول میں "قادیانیت" کے ذیل میں درج ہے۔

وہ غالباً کسی سنیما ہال میں ملازم تھا۔ اس کی بیوی کو مولانا وقتاً فوقتاً اپنی جیب خاص سے کلکتے کچھ رقم بھیجتے رہتے ہیں۔

اجمل

(۲۴) دوست محمد خان حجانہ (ایڈیٹر محب وطن

میریز (ڈیرہ غازی خاں)

(۱)

۱۹۔ بالی گنج، سرکلر روڈ۔ کلکتہ،

۱۴ اگست ۱۹۴۰ء

مکرمی تسلیم!

آپ کا خط حضرت مولانا کو مل گیا۔ آپ نے عقاید اور رائے کی آزادی کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ نیز متعصبانہ فرقہ پرستی کے خلاف، وہ صحیح ہے۔ جہاں تک کانگریس کا تعلق ہے کسی کو اس بارے میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ ان مقاصد کی اول دن سے حامی رہی ہے۔ کراچی رزولیوشن جس نے بنیادی حقوق کا اعلان کیا ہے۔ اس باب میں مسلمہ دستاویز ہے۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں سکریٹری

مولانا ابو الکلام آزاد مدظلہ،

(۲۴)

(۲)

(مکتوب الیہ نے اعتراض کیا تھا کہ ان احراریوں کو کانگریس کا ممبر کیوں بنایا جاتا ہے جو عدم تشدد کے اصول کو نہیں مانتے۔ ۲۸ اگست ۱۹۴۰ء)

احراری ہوں یا غیر احراری کوئی شخص کانگریس کی کسی منتظمہ جماعت کا ممبر نہیں ہو سکتا اگر وہ کانگریس کے بنیادی اصولوں کے خلاف اقوال واعمال رکھتا ہے۔ البتہ ہر دو آنے عام ممبروں کے لیے ایسی تحقیقات دشوار ہے۔ لاکھوں آدمی ممبر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی احراری کسی کمیٹی کے ذمہ دار ممبر ہیں اور وہ عدم تشدد کے خلاف ہیں تو اس سے مطلع کیجیے۔

ابو الکلام

مولوی محی الدین قصوری،

(۲۴)

(۱)

(مولانا کے نام مولوی محی الدین قصوری کے ایک خط پر یہ نوٹ تھا جو اجمل خاں صاحب نے نقل کر دیا تھا۔ ۵ر دسمبر ۱۹۴۱ء)

یہ اور ان کا خاندان بیس برس سے نیشنل سروس میں ہر طرح کی قربانیاں کرتا رہا ہے ۱۹۱۲ء میں جب بہت کم مسلمان میرے سیاسی خیالات سے متفق تھے تو اس وقت جن چند خاص خاص آدمیوں نے میری پکار پر لبیک کہا تھا ان میں یہ اور ان کا خاندان بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجھے اس درجہ ان کا خیال ہے۔

ابوالکلام

(۲)

(۲۴)

(مکتوب الیہ کی جانب سے مزاج پرسی اور دعائے صحت کے جواب میں۔ ۱۰ر جولائی ۱۹۵۰ء)

خط مل گیا ہے۔ آپ کی محبت و اخلاص کے لیے مولانا شکر گزار ہیں۔

اجمل خاں

عبداللہ مصری

(۲۵)

(اسسٹنٹ سکرٹری آل انڈیا مسلم مجلس، دہلی)

(مکتوب الیہ نے مسلم مجلس کی راہ میں رکاوٹوں اور دشواریوں کا ذکر کیا تھا۔ ۱۱ر جون ۱۹۴۰ء)

جونہی موقع ملے گا ان امور پر پوری طرح غور کیا جائے گا۔

اجمل

مولانا جمال میاں فرنگی محلی (لکھنو)

(۲۶)

(مولانا جمال میاں نے مطالعے کے لیے چند کتابیں دریافت کی تھیں۔ اور چائے کا تحفہ ارسال کیا تھا۔ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۵ء)

چائے پہنچ گئی۔ بہت اچھی تھی۔ کتابوں کے متعلق پھر لکھوں گا۔

اجمل

(۲۷)

شیخ محمد عبداللہ

(صدر آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس)

(آل جموں و کشمیر کانفرنس کے ترجمان روزنامہ "خدمت" کے متعلق مولانا کا پیغام بجواب مکتوب مورخہ ۱۹ر نومبر ۱۹۴۵ء)

پیغام

مجھے یہ معلوم ہو کر خوشی ہوئی کہ "خدمت" کا انگریزی ایڈیشن بھی نکل رہا ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ (۱)

ابوالکلام آزاد

(۲۸)

(۲)

حسب ہدایت[۱] عربی کمیٹی یوپی[۲] (لکھنو) کی تجاویز پر ان سے دہلی گفتگو کی گئی اور حضرت بل کو مرکز[۳] قرار دے کر نظری تعلیم کے علاوہ فنون لطیفہ کی تعلیم اور کشمیر کی ترقی پر بھی باتیں ہوئیں انگورہ سے بھیڑیں منگانے اور اون کو پائیدار رنگ دینے کے علاوہ پھلوں کو محفوظ کرنے اور باہر بھیجنے پر غور ہوا (۴)

اجمل

---

(۱) یعنی مولانا کی ہدایت کے مطابق

(۲) مولانا نے عربی مدارس کے نصاب اور ذریعہ تعلیم کی اصلاح کے لیے ایک کمیٹی قائم کی تھی۔

(۳) حضرت بل میں ایک دارالعلوم قائم کرنے کی شیخ عبداللہ کی ایک تجویز تھی اور مولانا سے اس کے لیے نصاب تعلیم مرتب کر دینے کی درخواست کی تھی۔

(۴) انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ صاحب کو جواب تحریری نہیں بھیجا گیا تھا بلکہ محمد اجمل خاں صاحب نے مولانا کی ہدایت کے مطابق ان سے بالمشافہ گفتگو کی اور بطور یادداشت یہ نوٹ لکھ دیا۔ ۱۱ر جنوری ۱۹۴۶ء

پریم سنگھ سوڈھ بنس ۔ لاہور

(۲۹)

(مکتوب الیہ ایک رسالہ "سیاسی پیشین گوئی یا ہندو مسلمان در ہندوستان" دوبارہ چھپوانا چاہتے تھے اور رسالے کی نسبت مولانا سے کچھ لکھوانا۔ یہ رسالہ دراصل محمد برکت اللہ کا ایک مفصل خط تھا، جو انہوں نے نیو یارک سے ہندستان کی آزادی کے مسئلے پر لکھا تھا۔ ۲۷ر نومبر ۱۹۴۵ء)

جناب من تسلیم!

آپ کے خط سے مولانا کو بہت خوشی ہوئی۔ آپ کا یہ خیال کہ اس رسالے کو دوبارہ چھپوا کر شائع کر دیا جائے بہت اچھا ہے۔ یہ رسالہ خود بول رہا ہے کہ کسی دیباچے کی ضرورت نہیں ہے۔ رسالہ بھی واپس ہے۔

محمد اجمل خاں

محمد مسعود اسسٹنٹ کلکٹر، دہلیہ

(۳۰)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ آیا قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کے لیے کوئی ایسا ادارہ قائم ہو سکے گا جس کی ضرورت کا اظہار مولانا نے ترجمان القرآن جلد اول (اشاعت اول) میں کیا تھا؟ ۹۔ جنوری ۱۹۴۶ء)

آپ نے جو دلچسپی ظاہر کی ہے اس کے لیے شکریہ۔ اسردست تیسری جلد کی اشاعت درپیش ہے وہ ہو جائے پھر اس معاملے پر غور کیا جائے گا۔

اجمل

پرشوتم داس ٹنڈن،،

(۳۱)

کیمپ ۔ نئی دہلی،

۱۱ر مارچ ۴۶ء

مائی ڈیئر ٹنڈن جی!

آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر یہاں (۱) مجھے ملے اور انہوں نے مجھے تبلایا کہ اردو ہندی کا نزاع دور کرنے کے لیے انہوں نے اب تک کیا کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک کمیٹی

۱؎ سید ذوالفقار علی بخاری سابق ڈائرکٹر آل انڈیا ریڈیو کی طرف اشارہ ہے۔

ہندی ساہتیہ سمیلن، انجمن ترقی اُردو اور ہندوستانی پرچار کے نمائندوں کی بنائی گئی ہے تاکہ ان کے مشورہ سے نزاع کے فیصلے کی صورت نکالی جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک برمحل اور موزوں طریق کار ہے اور اس کمیٹی میں ہندی ساہتیہ سمیلن کے نمائندوں کو شریک ہو کر آگے بڑھانے اور موزوں حل پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے میں چاہتا ہوں کہ آپ اس معاملے میں دلچسپی لیں اور ساہتیہ سمیلن کو مناسب مشورہ دیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر ضرور توجہ کریں گے۔ میں آج بمبئی جا رہا ہوں۔ وہاں غالباً تین چار دن ٹھہروں گا۔

ابوالکلام

محمد احمد خاں۔ (لاہور)

(۳۲)

جلد ہی دہلی فوراً بھیجیے۔ قیمت جو مناسب سمجھیں رکھیں[1]۔

عبداللہ بٹ (پھراؤں)

(۳۳)

(۱)

(ہندوستان کی عارضی حکومت میں مولانا کی شمولیت پر انھیں مبارکباد کا پیغام بھیجا تھا۔ ۵ رجنوری ۱۹۴۷ء)

برادرم تسلیم۔

مولانا دعائے خیر کرتے ہیں، جامعی[2] سلام عرض کرتا ہے۔

اجمل

عبداللہ بٹ (لاہور)

(۳۴)

(۲)

(بہ جواب مکتوب ۲۲ رجنوری ۱۹۴۸ء)

مولانا دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں

---

[1] غبار خاطر لاہور میں چھپ رہی تھی اس کی طرف اشارہ ہے۔ [2] جامعی سے مراد اجمل خاں صاحب کے فرزند رشید مجاہد کمال جامعی ہیں۔

پروفیسر سعید احمد، اسلامیہ کالج۔ جالندھر

(۳۵)

(خیر و شر کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے واقفیت کے لیے کتابوں کے نام دریافت کیے تھے۔ ۹ار جنوری ۱۹۴۷ء)

شفاء العلیل حافظ ابن قیم کی جو مصر میں چھپ گئی ہے مطالعہ کیجیے۔ بمبئی کے کتب فروشوں سے مل جاتے گی۔ اس بارے میں کسی ایک کتاب کا بتانا مشکل ہے الملل والنحل کی کتابیں مصر میں چھپی ہیں[1] تیسری کتاب ڈاکٹر آرنلڈ نے لاہور سے چھپوائی تھی۔

اجمل

محمد عبداللہ خاں خویشگی

(۳۶)

۲۲۔ پرتھی راج روڈ۔ نئی دہلی

۲۹ر جنوری ۱۹۴۷ء

خاں والا شان تسلیم ۔ حضرت مولانا اس وقت کاموں کے ہجوم میں اس طرح گھرے ہوئے ہیں کہ ان کے لیے کوئی وقت نکالنا دشوار ہے۔ بہتر یہ ہو کہ آپ اپنی فرہنگ بذریعہ ڈاک بھیج دیں۔ اور پھر وسط فروری میں ملنے کے لیے زحمت گوارا کریں۔ مولانا بخوشی ملیں گے۔

کیا آپ نے جدید اصول اعراب جو میں نے ایجاد کرنے کی کوشش کی ہے، دیکھا ہے؟ مجھے خیال ہوتا ہے کہ مولوی سمیع اللہ صاحب کے کتب خانے میں اس مسئلے پر آپ سے گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے واؤ مجہول کے لیے خالی سر کی واؤ (ﻭ) تجویز کی ہے۔ اور یائے مجہول کے لیے نیچے اوپر دو نقطے مثلاً مو، چو اور تیز، شیر۔ اور اسی طرح اعراب میں "پیش مجہول" خالی سر ہوگا اور "مجہول کسرہ" کے لیے ‌ٖ یہ علامت۔

میں نے اس مسئلے پر کافی وقت صرف کیا ہے اور امید ہے کہ آپ بھی اپنی مشکلات کی روشنی میں کسی نتیجے پر پہنچے ہوں گے۔

نیاز مند

محمد اجمل خاں

---

[1] الملل والنحل پر کئی کتابیں مصر میں چھپی ہیں مثلاً شہرستانی (محمد بن عبدالکریم) کی الملل والنحل، ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل

سر تیج بہادر سپرو (الہ آباد)

(۴۷)

(سر سپرو نے غبار خاطر کے تحفہ کے جواب میں خط لکھا تھا۔ ان کے اظہار اخلاص کے جواب میں مولانا نے یہ خط تحریر کیا)

دہلی

۳ر فروری ۱۹۴۷ء

مکرمی،

گرامی نامے کے لیے شکریہ۔ خط کے آخیر میں یہ پڑھ کر کہ علالت کا سلسلہ جاری ہے، نہایت قلق ہوا۔ بہت جی چاہتا ہے کہ آپ سے ملاقات ہو۔ جونہی کوئی موقع نکلا کوشش کروں گا کہ چند گھنٹوں کے لیے الہ آباد ٹھہروں اور آپ کی ملاقات سے خوش وقت ہوں۔

زخیل دُرد کشاں جُز ما نہ ماند کسے
بیا کہ بادہ کہ ما ہم غنیمتیم بسے

ابوالکلام

بخدمت رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو
۱۹۔ البرٹ روڈ۔ الہ آباد

پروفیسر محمد حبیب (علی گڑھ)

(۴۸)

(حبیب صاحب مولانا سے ملاقات کے متمنی تھے اور اسی خواہش کا اظہار انہوں نے اپنے خط میں کیا تھا۔ مولانا نے اپنے قلم سے جواب تحریر فرمایا)

دہلی،

۸ر فروری ۱۹۴۷ء

عزیزی،

کتنا ہی مشغول ہوں، مگر آپ کے لیے وقت نکل ہی آئے گا۔ جب موقع ملے آئیے اور بلا تامل آئیے
عنان گسستہ تر از ابر نوبہار بیا۔

ایک بج کر پندرہ منٹ پر آفس سے آجاتا ہوں اور ۲ - ۲۵ تک ٹھہرتا ہوں یہ وقت ملاقات کے لیے اچھا ہے ۔

ابوالکلام

پروفیسر محمد حبیب
مسلم یونیورسٹی ۔ علی گڑھ

(۳۹) پروفیسر ۔ م حفیظ سید (الہ آباد یونیورسٹی)

(حفیظ صاحب مولانا سے ملاقات کرنا چاہتے تھے اور لکھنو کے سفر کے دوران میں وقت نکالنے کی درخواست کی تھی ۔ ۱۲ر فروری ۱۹۴۷ء)

لکھنو میں قیام کا وقت بہت ہی محدود ہے اور مشکل ہے کہ اس وقت اندازہ کیا جا سکے کہ کون سا وقت نکل سکے گا ۔ بہتر ہو گا کہ آپ ۲۲ ۔ کو کارلٹن ہوٹل میں فون کر کے وقت دریافت کر لیں ۔ مولانا حتی الامکان آپ کے لیے ضرور وقت نکالیں گے ۔

اجمل

(۴۰) جوش ملیح آبادی (از پونا)

(۱)

(حبیب اللہ رشدی اُردو نستعلیق ٹائپ کے متعلق مولانا سے مل کر مشورہ کرنا چاہتے تھے ۔ ۲۲ر فروری ۱۹۴۷ء)

مولانا فرماتے ہیں کہ ان سے کہیے کہ نمونہ و تفصیلات (کہ کتنے کیس ہوں گے) بھیج دیں ۔
اجمل

(۴۱)

(۲)

(جوش صاحب کی دھول پور کی جائیداد کا کوئی مسئلہ تھا ۔ اس سلسلے میں مولانا کو خط لکھا تھا اور دستگیری کی درخواست کی تھی ۹ر فروری ۱۹۴۸ء)

اس بارے میں وہاں کہہ دیا گیا ہے ۔ دھول پور کے کاغذات مجھے نہیں ملے ۔ وہ مجھے

بھیج دیجیے۔

محمد اجمل خاں

نامعلوم

(۴۲)

برادرم،

مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اُردو لٹریچر کا کوئی نمونہ لینا تھا تو "غبار خاطر" سے لیتے۔ تذکرہ سے کیا تعلق؟ مولانا دوبارہ چھپوانے سے معذرت کرتے ہیں۔

اجمل

محمد یونس خالدی (لکھنو)

(۴۳)

(۱)

(۱۔ ہندوستان کے موقتہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کی پریشانی ۲۔ صوبہ بہار میں فتنہ قادیانیت کا شیوع اور ۳۔ وآخرین منہم لما یلحقو بہم، کی ضمیر کے مرجع کے متعلق مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا۔ ۱۱/ اکتوبر ۱۹۴۸ء)

برادرم!

۱۔ مولانا کو آپ کا خط پڑھ کر تعجب ہوا۔ حالات روز بروز بہتر ہو رہے ہیں مسلمانوں کے لیے کوئی وجہ خوف و اشتباہ کی نہیں رہی ہے۔ ایسی حالت میں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ آپ کن چیزوں کے متعلق کہہ رہے ہیں اور آپ کے پیش نظر کیا ہے؟

۲۔ قادیانی مبلغ کی کوئی اہمیت بہار میں نہیں ہے۔

۳۔ سورۂ جمعہ کی آیت کی ضمیر صریح عہد نبوت کے مسلمانوں کی طرف جاتی ہے۔

محمد اجمل خاں

(۲)

(خالدی صاحب "مسلمان عورت" نامی کتاب شائع کرنا چاہتے تھے اور مولانا سے اس کی اجازت چاہی تھی۔ یہ کتاب فرید وجدی مصری کی کتاب "المراۃ المسلمہ" کے ترجمے کی حیثیت سے مشہور ہے حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ مولانا کا اس پر تبصرہ ہے۔ اس کا ترجمہ نہیں۔ اس سلسلے میں ایک نہایت مفید اور جامع بحث محمد یونس خالدی صاحب نے الکلام پٹنہ کی اشاعت ۷/مارچ، ۱۹۵۹ء میں کی ہے۔ درج ذیل خط "الکلام" کے اسی نمبر سے منقول ہے۔)

حضرت مولانا فرماتے ہیں۔

یہ مضامین پندرہ سولہ برس کی عمر میں لکھے گئے تھے۔ ان میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جن میں میری رائے بدل گئی ہے اور بہت سی باتیں اب میں صحیح نہیں سمجھتا۔ لہذا ان کے چھپوانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ فرید وجدی نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ نہایت سطحی ہے اور علمی تحقیقات کے خلاف ہے۔ مولانا شبلی مرحوم کی فرمائش پر میں نے ریویو لکھ دیا تھا۔ اس وقت میری معلومات محدود تھیں۔ اب اسے میں صحیح نہیں سمجھتا۔ اسی طرح دوسری معلومات کا بھی حال ہے۔

راقم
محمد اجمل
منجانب ابوالکلام آزاد

(۴۵)

خواجہ عبدالحی فاروقی (جامعہ ملیہ۔ دہلی)

(خواجہ صاحب نے عربی مدارس کے نصاب اور طریقہ تعلیم و تدریس کی اصلاح کے سلسلے میں مولانا سے رہنمائی کی درخواست کی تھی ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ء)

مکرمی،

مولانا فرماتے ہیں کہ مارچ تک ٹھہریے، اس کے بعد جواب دوں گا۔ عربی کمیٹی بن گئی ہے۔

محمد اجمل خاں

(۴۶)

نامعلوم (از لاہور)

(مکتوب الیہ کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ ملاقات کے لیے مولانا سے وقت مانگا تھا۔ ۸ مارچ ۱۹۴۷ء)

آپ کسی اتوار کو بعد دوپہر ڈیڑھ بجے آجائیں، مولانا سے ملاقات ہو جائے گی۔

اجمل

مشتاق احمد زاہدی

(۴۷)

(زاہدی صاحب نے مولانا سے ملاقات کے لیے درخواست کی تھی۔ مولانا نے یہ جملہ ان کے خط پر لکھ دیا تھا۔ اجمل خاں نے اس جملے کو مکتوب کی شکل دے کر انہیں روانہ کر دیا تھا۔ اپریل ۱۹۴۷ء)

ڈیڑھ بجے سے ڈھائی بجے تک جب آنا چاہیں، آجائیں اور کوئی وقت نہیں ہے۔

ابوالکلام

برکت علی قریشی (اورینٹیل کالج، لاہور)

(۴۸)

(انڈو ایرانین کمیٹی کی رکنیت کے لیے ڈاکٹر سید عبداللہ اور ایک دوسرے صاحب کا نام پیش کیا تھا)

۸ رمئی ۴۷ء

سید اشفاق حسین صاحب، ڈپٹی ایجوکیشنل ایڈوائیزر کو لکھا گیا کہ انڈو ایرانین کمیٹی میں یہ دو نام شامل کرلیں۔ انہوں نے ڈاکٹر امداد حسین کو ہدایت کی یہ دو نام بڑھا دیں۔

محمد اجمل خاں

عبدالحمید نعمانی (مالیگاؤں ضلع ناسک)

(۴۹)

(۱)

(جمعیت العلما مالیگاؤں کی طرف سے مولانا کو مالیگاؤں تشریف لانے کی دعوت کا جواب۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۴۷ء)

افسوس کہ مولانا وقت نہ نکال سکیں گے۔

اجمل

(۵۰)

(۲)

(اپنے ذاتی ٹائپ پریس میں مولانا کی تمام تصنیفات چھاپنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور دریافت کیا تھا کہ کیا جہانگیر پر ان کا مرسلہ عربی مقالہ ثقافۃ الہند میں شائع ہو جائے گا۔ ۵ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

مولانا کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ نے ٹائپ کا پریس جاری کیا ہے۔ جہاں تک مولانا کی تصنیفات کا تعلق ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سردست انہیں ٹائپ میں شائع کیا جا سکے گا وہ آپ کی اس آمادگی کے لیے شکر گزار ہیں۔ آپ کا عربی مضمون ضرور شائع کیا جائے گا۔

اجمل

(۵۱)

اولاد حسین شاعر (لکھنو)

(شاعر صاحب نے اپنے زیر ادارت رسالہ ہمراہی کے لیے مولانا سے مضمون کی درخواست کی تھی۔ ۱۰ ستمبر ۱۹۴۷ء)

جناب محترم، وعلیکم السلام!

موجودہ حالات میں مولانا کو مضموں لکھنے کی فرصت کہاں! یوں بھی اخبارات میں وہ مضامین نہیں لکھا کرتے۔

اجمل

(۵۲)

بارک اللہ (صوبہ سرحد، علاقہ آزاد)

(مکتوب الیہ نے ملک میں قیام امن کے لیے اپنی اور مجاہدین کی خدمات پیش کی تھیں۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء)

خط پہنچ گیا۔ آئندہ مفصل لکھیں گے آپ اپنے ملک میں امن و امان پھیلانے کی سعی جاری رکھیے تاکہ اقلیت پر ظلم نہ ہو

اجمل

(۵۳)

حاجی سید وحید الدین احمد بیخود (دہلی)

(نوے سال کی عمر میں، بیماری اور ضعف و ناتوانی کے باوجود مولانا کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنے دو مطبوعہ دیوان مولانا کو پیش کرنا چاہتے تھے، ۷ دسمبر ۱۹۴۷ء)

مولانا صاحب فرماتے ہیں کہ:

اس مجبوری کی حالت میں آپ کیوں زحمت کرتے ہیں۔ آپ کا دیوان آئے گا تو خوشی سے دیکھوں گا۔

اجمل

(۵۴)

ڈاکٹر محمد عبدالرشید (لاہور)

(مکتوب الیہ نے ترجمان القرآن کے بارے میں لکھا تھا کہ اگر یہ کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچا تو دنیا ایک گوہر بے بہا سے محروم رہ جائے گی۔ یکم اپریل ۱۹۴۸ء)

جناب محترم۔ تسلیم!

مولانا ترجمان القرآن کی تیسری جلد کے کام سے غافل نہیں ہیں امید ہے کہ اس سال کے اندر یہ کام

بھی ختم ہو جائے۔ آپ نے اس کام کے لیے جو شوق ظاہر کیا ہے، اس سے وہ بہت متاثر ہوئے اور شکر گذار ہیں۔

الراقم

محمد اجمل خاں

آنند کمار دیوان (بڈرودھان ہاؤس۔ سولن) (۵۵)

(پروفیسر دیوان آنند کمار نے مولانا کو اپنی صاحبزادی کی شادی میں شرکت کی دعوت دی تھا۔ ۲۸ر اکتوبر ۱۹۴۷ء)

جناب محترم! تسلیم

مولانا کو بہت خوشی ہوئی۔ ان کی دلی مبارک باد قبول کیجیے ان کی خواہش ہے کہ یہ تقریب خیر و برکت کا موجب ہو مولانا کو آپ کا خیال ہے وہ چاہتے ہیں کہ آپ کی خدمات سے یہاں بھی فائدہ اٹھایا جاسکے جونہی موقع ملا وہ اس کے لیے ضرور کوشش کریں گے۔

محمد اجمل خاں

محمد قطب الدین احمد (حیدرآباد دکن) (۵۶)

(مکتوب الیہ نے ترجمان القرآن کی طبع و اشاعت میں مدد کے لیے دہلی آجانے کی پیش کش کی تھی۔

۲۸ر جمادی الثانی ۱۹۶۹ء)

جناب محترم! تسلیم

مولانا آپ کے اخلاص و محبت کے لیے شکرگزار ہیں آپ یہاں آکر ان کی فرصت کی مقدار کچھ نہیں بڑھا سکتے۔ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح یکسوئی حاصل کریں اور اپنا وقت علمی کاموں میں صرف کرسکیں۔

محمد اجمل خاں

جولائی ۴۹ء

پروفیسر محمد ابراہیم ڈار (بمبئی) (۵۷)

(۱)

(مکتوب الیہ نے "غبار خاطر" میں ملا حسین واعظ کاشفی یا ملا معین واعظ فراہی کی نسبت مولانا کے ایک تسامح کی طرف توجہ دلائی تھی۔ غبار خاطر کے نئے ایڈیشن (ساہتیہ اکیڈمی، دہلی) میں یہ درستگی کردی گئی ہے۔)

۹ر فروری ۱۹۵۰ء

برادرم! تسلیم،

مولانا شکر گزار ہیں کہ آپ نے اس تسامح کی طرف توجہ دلائی - مزید غور کرنے کے بعد معلوم ہو گیا کہ ملا معین کا لقب کاشفی نہ تھا اور یہ محض قلم کی لغزش ہے - ملا معین واعظ فراہی مشہور ہیں نہ کہ کاشفی آپ کا خیال ٹھیک تھا اور ان کا خیال اس بارے میں غلط تھا - وہ غبار خاطر کے آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کر دیں گے -

محمد اجمل خاں

(۲)

(۵۸)

(ڈار صاحب نے "نوائے ادب" بمبئی کے لیے ہمت افزائی کے چند کلمات تحریر فرمانے کی مولانا سے درخواست کی تھی -)

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ بمبئی سے "نوائے ادب" جاری کیا گیا ہے - بعض انگریزی رسائل کے طریقے پر اردو کے رسائل کے مضامین کا خلاصہ رسالے کے آخر میں درج کیا گیا ہے وہ نہایت مفید و دلچسپ ہے - ابھی تک اردو کے کسی رسالے نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا تھا - بہتر ہوگا کہ "نوائے ادب" اپنے ہر نمبر میں یہ سلسلہ جاری رکھے![1]

ابو الکلام آزاد

عبد الصمد شرف الدین (مکہ مکرمہ)

(۵۹)

جناب محترم! تسلیم،

آپ کا اشارہ غالباً مولوی حامد حسین کے کتب خانے کی طرف ہے، وہاں ایک قدیم نسخہ ہے لیکن فربری والا نہیں ہے - (۱) -

(۱) نوائے ادب بمبئی نے اردو کے علمی و تحقیقی مقالات کا ایک اشاریہ مقالات کے ضروری تعارف کے ساتھ شائع کرنا شروع کیا تھا - اردو میں اس سے پہلے کسی نے اس کام کی جانب توجہ نہیں دی تھی لیکن اب تو برصغیر کے کئی رسائل نے یہ سلسلہ شروع کر دیا ہے - ایک جامع اشاریۂ مضامین، ماہنامہ قومی زبان، کراچی میں تقریباً ۱۹۶۲ء سے ہر ماہ شائع ہو رہا ہے -

(۱) مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ لکھنؤ کے کسی شیعہ کے کتب خانے میں صحیح بخاری کا فربری والا نادر الوجود نسخہ ہے اس کی اشاعت کا انتظام ہونا چاہیے -

ان کے انگریزی مقدمے کا آپ انتظار نہ کریں (۱)

آپ کے جو علمی مشغلے کا حال ہے اس سے مولانا کو خوشی ہوئی اللہ مزید توفیق عطا فرمائے۔ حافظ عسقلانی کی مطبوعہ کتاب (۲) ملک کے مشہور کتب خانوں میں نہیں ہے ممکن ہے بعض پرائیویٹ کتب خانوں میں ہو۔ لیکن حافظ مزی کی کتاب ( ) بغیر ذیل اور تعقبات ( ) کے بجنسہ شائع کر دی جائے تو وہ مقاصد حدیث کے لیے پوری طرح نافع ہوگی۔

رسالۂ ذوالقرنین (٦) مولانا کو مل گیا اور اسے دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔ نہایت سطحی طریقے پر لکھا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ موجودہ عصر کے اہل علم نظر و تحقیق سے بالکل تہی دست ہو گئے ہیں ذوالقرنین کسی موہوم حمیری بادشاہ کو قرار دینا، پھر اسے یمن سے چین لے جاکر دیوارِ چین تعمیر کرانا اور چین کی چودہ سو میل لمبی دیوار کو سدِ متذکرۂ قرآن قرار دینا اس قدر بے معنی بات ہے کہ اس کی آج کل کے علمائے بلادِ اسلامیہ ہی سے توقع کی جاسکتی ہے۔

محمد اجمل خاں

عبدالرحمٰن (جموں)

(٦٠)

(۱)

(مکتوب الیہ نے جامعہ عثمانیہ کی مطبوعات کا ایک سیٹ منگوا دینے کی درخواست کی تھی۔ ۲۵ر اپریل ۱۹۵۰ء)

جنابِ محترم!

آپ کا خط ملا۔ جامعہ عثمانیہ کی مطبوعات کے متعلق مولانا کچھ نہیں کر سکتے۔

محمد اجمل خاں

---

(۱) شاید مولانا نے کتاب الرد علی المنطقیین امام ابن تیمیہ پر مقدمہ لکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

(۲) النکات الظراف علی الاطراف کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) الامام الحافظ ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (ف ۷۴۲ھ) کی مشہور تصنیف "تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف"

( ) حافظ ابن حجر عسقلانی (ف ۸۵۲ھ) نے مزی کی کتاب کا تعاقب کیا تھا جو "النکات الظراف علی الاطراف" کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرا تعقب علامہ ابوزرعہ بن حافظ العراقی نے لکھا تھا۔ مولانا کا مشورہ تھا کہ ان تعقبات کے بغیر مزی کی اطراف کا صرف متن شائع کر دیا جائے۔

( ) "ذوالقرنین و سد الصین" حلب کے ایک بزرگ "الشیخ محمد راغب الطباخ" کا رسالہ مکتوب الیہ نے مولانا کو بھجوایا تھا۔ ۱۳ر اپریل ۵۰ء

(۷۱)

(۲)

(مولانا نے مکتوب الیہ کو "صراط مستقیم" کے مطالعے کا مشورہ دیا تھا لیکن ان کے بقول یہ کتاب بھی اصلاحات تصوف سے پُر ہے، موصوف کسی ایسی کتاب کے متلاشی تھے جو کتاب و سنت سے محدثین کے طریقے پر مرتب کی گئی ہو نیز اصحاب سلوک و تصوف کے ساتھ اصحاب حدیث کی روش کے بارے میں مکتوب الیہ نے سوال کیا تھا۔ ۱۷ جولائی ۱۹۵۷ء)

۲۲ ستمبر ۵۷ء

جناب محترم! تسلیم

مولانا فرماتے ہیں کہ "صراط مستقیم" کے دو حصے ہیں، پہلا جو سلوک بہ طریقۂ نبوت کے نام سے لکھا گیا ہے۔ مولانا اسمٰعیل شہید کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا حصہ جو سلوک بہ طریقۂ ولایت کے عنوان سے ہے۔ مولوی عبدالحی مرحوم نے لکھا ہے۔ صراط مستقیم کے مطالعے پر جو میں نے زور دیا، تو اس سے مقصود صرف اتنا حصہ تھا جو مولوی اسمٰعیل کا لکھا ہوا ہے۔ اس حصے میں مصطلحات تصوف سے کام نہیں لیا گیا ہے۔ کتاب و سنت کے مطابق تزکیۂ نفس کے اصول تحریر کیے ہیں۔

متاخرین صوفیہ نے جو بے احتیاطیاں عملی زندگی میں اختیار کر لی تھیں اصحاب حدیث نے شدت کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ ابن جوزی کی تلبیس[۱] ابلیس کا تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے، لیکن جو حقیقی معنوں میں صوفی تھے، جیسے شیخ عبدالقادر جیلانی" اصحاب حدیث نے نہ صرف ان کا احترام کیا ہے بلکہ نہایت مدح و ثنا کی۔ جیسا کہ امام ابن تیمیہ" کی تحریرات سے واضح ہوتا ہے ابن قیم" نے تصوف کی ایک نہایت گراں قدر کتاب لکھی۔[۲]

شیخ عبداللہ انصاری کی کتاب منازل السائرین[۳] میں تمام مقامات سلوک و تصوف کی کتاب و سنت کی روشنی میں تشریح کی گئی ہے۔ شرح منازل مصر میں چھپ گئی ہے اس کا مطالعہ آپ کے

۱۔ یہاں کتاب کا نام تدلیس ابلیس لکھا تھا لیکن اس نام کی کتاب غزالی کی ہے ابن جوزی کی کتاب تلبیس ابلیس ہے۔

۲۔ ابن قیم الجوزی کی کتاب مدارج السالکین فی شرح منازل السائرین کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ شیخ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی کی کتاب کا نام منازل السائرین ہے اس کی شرح امام ابن قیم نے لکھی۔

مقصد کے لیے بہت مفید ہوگا۔ بمبئی میں مل جائے گی۔

محمد اجمل خاں

پروفیسر آل احمد سرور

(۶۲)

(سرور صاحب نے اجمل خاں سے بنیادی ہندستانی پر مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ ۱۱ر مئی ۱۹۵۰ء)

مکرمی! تسلیم،

میری جملہ کتابیں بنیادی ہندوستانی وغیرہ، جو زبان کے متعلق تھیں پاکستان میں چھپ رہی تھیں، کہ ملک تقسیم ہوگیا اور اردو پاکستان چلی گئی۔ ہندوستانی زبان کے متعلق سیکڑوں صفحے لکھے تھے اب وہ بھی ٹمٹما رہی ہے، دل پھیکا پڑ گیا ہے۔ کوشش کروں گا کہ کچھ لکھوں۔

محمد اجمل خاں

حاجی محمد شیرازی (ملک الکتاب بکسیلر بمبئی)

(۶۳)

۱۸ر مئی ۱۹۵۰ء

جناب من! تسلیم،

کئی سال ہوئے جب مولانا آپ کے یہاں آئے تھے اور آپ نے کہا تھا کہ فرہنگ انجمن آرائے ناصری مصنفہ رضا قلی خاں ہدایت کا ایک نسخہ ایک شخص فروخت کرنا چاہتا ہے۔ اگر آپ دے سکتے ہیں تو لکھیے مولانا کو ضرورت ہے۔

محمد اجمل خاں

سکریٹری

مولانا ابوالکلام آزاد

عبدالوحید خاں (علی گڑھ)

(۶۴)

(مکتوب الیہ نے اپنے پرنانا خداداد خاں اور ظفر کے بھائی ولی داد خاں کے نام غالب کے ایک خط کی نقل مولانا کو بھیجی تھی۔) مکتوب الیہ کے خط اور نامۂ غالب کے لیے ضمیمہ ملاحظہ ہو۔ ۲۷ر جون ۱۹۵۰ء)

جناب کا خط مولانا کو مل گیا۔ مرزا غالب کے خط سے انہیں بہت دلچسپی ہوئی اس خط سے مرزا غالب کے متعلق حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ اس کے لیے شکر گزار ہیں۔

اجمل

ظہیر الحق رفیقؔ (دین پور، ریاست بہاولپور) (۶۵)

(رفیق صاحب نے مولانا کی مزاج پرسی کے لیے خط لکھا تھا - ۱۴ر جولائی ۱۹۵۰ء)

مولانا شکر گزار ہیں۔

اجمل

محمد اجمل خاں سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد ،، (۶۶)

خان علامی[1] (سر جان شور کے زمانے میں) انگریزی کے ماہر تھے، لاطینی سیکھی اور نیوٹن کا ترجمہ عربی میں کیا۔ آصف الدولہ کا زمانہ تھا سعادت علی خاں کو وزارت اودھ دلوائی۔ لیکن اس نے سفیر بنا کے کلکتے بھیج دیا۔ راستے میں ہزاری باغ کے قریب مر گئے۔ لاش لکھنؤ میں دفن ہوئی۔

ان کے لڑکے تجمل حسین، جائس ضلع رائے بریلی میں تھے۔ اگر اولاد ہو تو ان کے قدیم کتب خانے کا پتا لگایا جائے۔

ابوالکلام آزاد

۱۳ر دسمبر ۱۹۵۰ء

مرزا جعفر حسین (سکریٹری شیعہ پولیٹیکل کانفرنس لکھنؤ) (۶۷)

(مکتوب الیہ نے ایران میں علی ظہیر کی قائم مقامی کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں - ۷ر فروری ۱۹۵۱ء)

برادرم!

ایران کے بارے میں ابھی فوری کارروائی درپیش نہیں ہے۔ لیکن بہر حال آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ بھی پیش نظر رہے گا۔

محمد اجمل خاں

---

[1] خان علامی سے مراد خان تفضل حسین خاں ہیں، جن کے مفصل حالات صاحبِ تحفۃ العالم نے لکھے ہیں حکمیات و الٰہیات میں انھیں افلاطونِ عصر اور ارسطوئے دہر بتایا ہے۔ کلکتہ میں سلطنت اودھ کے سفیر تھے۔ ۱۲۱۴ھ ۹۹-۱۷ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا کلکتہ میں علاج سے کچھ فائدہ نہ ہوا تو تبدیل آب و ہوا کی غرض سے لکھنؤ روانہ ہوئے۔ بنارس اور کلکتہ کے درمیان سانحۂ انتقال پیش آیا۔ ۱۸ر شوال ۱۲۱۵ھ مطابق ۴ر مارچ ۱۸۰۱ء۔

ظفر حسین خاں

(۶۸)

(۱)

(مکتوب الیہ مولانا سے ملاقات کے متمنی تھے ۱۸۔ جنوری ۱۹۵۲ء)

محترم! تسلیم

آپ دہلی آئیں تو مارچ کے پہلے ہفتے میں آئیں، یہ بہتر ہوگا۔

اجمل

(۶۹)

(۲)

(چند اصطلاحات علمیہ کے متعلق مولانا کی رائے دریافت کی تھی)

جناب محترم۔ تسلیم

(Laboratory) کے لیے "معمل" "تجربہ گاہ" دونوں ٹھیک ہیں (Dialectic) کے لیے بہرحال "مکالمہ اور جدل" دونوں لفظ استعمال کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن "کلامیات" کا استعمال شاید ٹھیک نہ ہوگا۔ کیوں کہ عربی میں (Scholasticism) کے لیے "علم کلام" کا استعمال کیا گیا ہے (Essence) آپ کسی اضافت کے ساتھ بولیں۔ آپ چاہیں تو "جوہر" کے ساتھ کسی وصف اضافی کا اضافہ کر دیں (Velocity) کے لیے "رفتار" بھی ہو سکتا ہے۔

اجمل خاں

(۷۰)

(۳)

(ظفر حسین خاں کی کتاب انواع فلسفہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوئی اور مصنف نے مولانا کی خدمت میں اس کا ایک نسخہ تحفۃً بھیجا تو مولانا نے مصطلحات علمیہ اور فلسفہ سے اپنے ذوق کی بنا پر اس میں مستعمل چند اصطلاحات پر اظہار خیال فرمایا۔)

"انواع فلسفہ" میں آپ نے بعض مصطلحات ایسی استعمال کی ہیں جو غور طلب ہیں آپ نے (Resultant) کے لیے "معلولات" استعمال کیا ہے یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا (Resultant)

(Energent) ریاضی کی مشہور اصطلاح ہے جس کے لیے صحیح عربی لفظ "حاصلات" ہے۔ کے لیے آپ نے "خارجات" کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ خروج اس کے مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔ میں نے الہلال کے زمانے میں اس کے لیے "ظہور فجی" کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن پھر میں نے اس کے لیے زیادہ موزوں عربی "فلتات" پایا جو فلتہ کی جمع ہے (Atom) کے لیے آپ نے "ذرہ" استعمال کیا ہے، ٹھیک ہے لیکن عربی کی پرانی اصطلاح "جوہر فرد" ہے

آپ نے (Dialectic) کے لیے "کلامیات وجدلیات" دو لفظ لکھے ہیں۔ کلامیات اس کے لیے درست نہیں ہوگا۔

(Experimentalism) کے لیے آپ نے "اختیارات" استعمال کیا ہے جو بھی لفظ استعمال کیا جائے اس میں تجربہ کا مفہوم آنا چاہیے۔

آپ نے (Mass) اور (Quantity) کو مرادف قرار دیا ہے اور دونوں کے لیے "کمیت" کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ اس کے لیے صحیح لفظ "حجم" ہے نہ کہ "کمیت" الہلال کے مضامین میں میں نے حجم ہی استعمال کیا ہے۔

آپ نے (Platonic ideas) کے لیے "افلاطونی اعیان" کی اصطلاح استعمال کی ہے عباسی مترجموں نے اس کے لیے "مثال" کی اصطلاح استعمال کی تھی اور وہی صحیح ہے۔ اعیان کا عربی فلسفہ اور تصوف میں دوسرا مفہوم ہے۔

(Response) کے لیے آپ نے "جوابی حرکت" اور "ردعمل" دو لفظ لیے ہیں ردِ عمل (Reaction) ہے (Response) کے لیے "جواب" صحیح اصطلاح ہوگی۔

(Self) کے لیے آپ نے "ذات" اور "نفس" دو لفظ لکھے ہیں صرف ذات استعمال کیجیے۔ نفس صحیح نہیں ہوگا۔ اگر (Self) کے لیے "نفس" استعمال کریں گے تو (Nous) کے لیے کیا باقی رہے گا۔ عربی فلسفے میں (Noetic) کے لیے "نفس ناطقہ" استعمال کیا گیا ہے۔

(Velocity) کے لیے آپ نے "حرکت" کا لفظ لیا ہے پھر آپ (Movement) کو کیا کہیں گے؟

(Proto) کے لیے آپ نے برق مثبت کی اکائی لکھی ہے میری رائے یہ ہے کہ اس

قسم کے تمام انگریزی مصطلحات جو ہمارے لیے سہل المخارج ہوں بجنسہٖ اختیار کر لینے چاہئیں اُردو میں الیکٹرون اور پروٹون کہہ سکتے ہیں۔

(Pluralism) کے لیے آپ نے "کثرتیت" کا لفظ استعمال کیا ہے یہ صحیح نہیں ہوگا اسے "مذہب کثرت" کر دیجیے۔

ابوالکلام[1]

(۷۱)

(۴)

(۲۲۔ دسمبر ۱۹۵۴ء کے خط کے جواب میں)

جناب محترم! تسلیم

مولانا کو آپ کا خط مل گیا جواب مفصل بعد میں دیں گے۔

محمد اجمل خاں

(۷۲)

(۵)

(مکتوب الیہ علمی غرض سے جرمنی جانا چاہتے تھے اور مصارف سفر کے ایک جزو کا انتظام حکومت کی طرف سے چاہتے تھے۔)

۴ ار ستمبر ۵۵ء

مکرمی! تسلیم

مولانا فرماتے ہیں کہ اس بارے میں مجبوری ہے۔ کوئی فنڈ ایسا موجود نہیں ہے جس سے اس طرح مصارف کیے جاسکیں۔

محمد اجمل خاں

---

[1] منقول از ماہنامہ آجکل دہلی (ابوالکلام آزاد نمبر ۱۹۵۸ء)

ریاض الرحمٰن شیروانی (علی گڑھ)

(۷۳)

(ماہنامہ فاران کراچی کی اشاعت بابت جنوری ۱۹۵۲ء میں مولانا کے مولد و طن مالوف، سفر عراق، جامعہ ازہر میں تعلیم وغیرہ کے متعلق "پردہ اٹھتا ہے" کے عنوان سے ایک تنقیدی مضمون شائع کیا گیا تھا۔ شیروانی صاحب اس کا جواب لکھنا چاہتے تھے اس سلسلے میں بعض باتیں مولانا سے دریافت کی تھیں۔ ۱۲ جنوری ۱۹۵۲ء)

محترم! تسلیم

پرچہ بھیج دیجیے میں نے نہیں دیکھا۔

اجمل

نامعلوم (از دہلی)

(۷۴)

(فاران کراچی بابت جنوری ۱۹۵۲ء میں ماہر القادری نے جو مضمون لکھا تھا اس میں یہ دعویٰ بھی کیا تھا کہ انہوں نے مولانا آزاد کو ایک رجسٹرڈ خط لکھا تھا اور یہ الزام لگایا تھا کہ مولانا نے اس کا جواب نہیں دیا۔ کسی صاحب نے اس سلسلے میں مولانا سے دریافت کیا تھا۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۲ء)

مولانا کہتے ہیں "میرے حافظے میں نہیں ہے کہ اس طرح کا کوئی خط آیا ہو"۔

آپ جانتے ہیں کہ وہ اس طرح کے معاملات میں اخبارات کے اندر بحثوں میں حصہ نہیں لیتے اور یہ چیز کہ آدمی نے کسی خاص مقام پر سفر کیا ہے کوئی فضیلت کی بات نہیں۔ یہ بات بھی کہ ایک شخص کی پیدائش مکہ معظمہ میں ہوئی، کوئی "فضیلت" کی بات نہیں۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ اس بارے میں کوئی غلط بیانی کی جائے۔ بہر حال آپ ان مضامین کی غلط فہمی میں نہ پڑیں اور ان سے تغافل کریں۔

اجمل

رشید احمد چودھری (مکتبہ جدید، لاہور)

(۷۵)

(چودھری صاحب محمد حسین ہیکل کی عربی کتاب "محمد رسول اللہ" کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کے متعلق مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔ ۲۶ فروری ۱۹۵۲ء)

مولانا فرماتے ہیں۔

یہ اپنے موضوع میں بہت اونچے درجے کی کتاب تو نہیں ہے بہر حال مفید ہے۔ اس کا اردو ترجمہ شائع کرنا مناسب ہوگا۔

اجمل

ابو العلا محمد اسماعیل (گودہرہ۔ ضلع پنچ محل، گجرات) (۷۶)

(۱)

(مکتوب الیہ نے سیرت النبی صلعم اور خلفائے راشدین کی سیرت پر کتابوں کی اشاعت کے بارے میں مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۲۲ر مارچ ۵۲ء)

مولانا فرماتے ہیں کہ سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آپ اس موضوع پر محنت گوارا کریں۔ سیرت خلفائے راشدین شائع کر دیجیے۔

اجمل

(۷۷)

(۲)

(مکتوب الیہ اپنے صاحبزادے کے لیے ملازمت کے خواہاں اور مولانا کی امداد کے طالب تھے۔ نیز اپنا ذاتی کتب خانہ فروخت کر دینا چاہتے تھے۔ ۱۴ر فروری ۱۹۵۵ء)

جناب محترم! تسلیم

مشکل یہ ہے کہ تمام ملازمتیں سروس کمیشن کے ذریعے سے ہوتی ہیں علاوہ بریں مرکزی حکومت میں اس طرح کی ملازمتیں مفقود ہیں۔

اصلی مواقع اسٹیٹ گورنمنٹ میں ہیں بہر حال کوئی موقع نکلا تو مولانا دیکھیں گے۔ کتابیں جو آپ کے پاس ہیں ان کی فہرست بھیج دیجیے دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جائے گی۔

محمد اجمل خاں

قاسم علی (گوہل پور۔ جبل پور) (۷۸)

(مکتوب الیہ مولانا کی بعض تصانیف کا ہندی ترجمہ شائع کرنا چاہتے تھے۔ اور مولانا سے اس کی اجازت چاہی تھی۔ ۲۱ر اپریل ۱۹۵۲ء)

جناب من! تسلیم

مولانا فرماتے ہیں کہ ہاں، "اگر" "انسانیت موت کے دروازے پر" اور "قول فیصل" کا ترجمہ کرنا چاہیں تو کیجیے۔ غبار خاطر ایک ادبی چیز ہے وہ ترجمے میں ٹھیک کھپے گی نہیں۔

اجمل

(۷۹)

اشرف (لندن)

(۱)

(کسی ذاتی معاملے کی نسبت مولانا کو لکھا تھا)

۲۹۔ جون ۵۲ء

مکرمی! تسلیم

کچھ دن اور توقف کیجیے۔

اجمل

(۸۰)

(۲)

(اشرف صاحب ٹونک کے کتب خانے کے بعض مخطوطات سے استفادہ کرنا چاہتے تھے۔ اب یہ کتب خانہ راشٹریہ بھون۔ نئی دہلی میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس خیال سے کہ مولانا کا اس سے ضرور تعلق ہو گا اور مخطوطات کی فراہمی میں آسانی ہو جائے گی۔ مولانا کو لکھا تھا۔)

۲۲۔ دسمبر ۱۹۵۶ء

ڈیئر اشرف!

آپ ٹونک کی لائبریری کو لکھ کر دریافت کر سکتے ہیں اگر جانا چاہتے ہیں تو اس میں مولانا کی اجازت کا سوال نہیں۔

اجمل

(۸۱)

اسلم حیات، لاہور

مکتوب الیہ نے مولانا کو توجہ دلائی تھی کہ "غبار خاطر" میں آپ نے یہ رباعی سرمد سے منسوب کی ہے:

سرما بگزشت واین دل زار ہماں

گرما بگزشت واین دل زار ہماں

القصہ تمام گرم وسرد عالم!

بر ما بگزشت واین دل زار ہماں

حالانکہ یہ رباعی مرزا بھچو ذرہ شاگرد شمس الدین فقیر کی ہے۔ سفینہ ہندی نسخہ پٹنہ ورق ۳۵ و "خیال عرفان" صفحہ ۳۶۷ (مکتوب مورخہ یکم ستمبر ۱۹۵۶ء) سرمد سے اس کا انتساب درست نہیں۔

جناب مالک رام بھی لکھتے ہیں "یہ حکیم محمد سمیع ذرہ لکھنوی عرف مرزا بھچو خلف محمد شفیع اکبر آبادی کی رُباعی ہے۔ جو لکھنؤ میں شجاع الدولہ کی سرکار میں ملازم اور شمس الدین فقیر کے شاگرد تھے۔ سفینہ ہندی ص۔ ۸-۷۹ اور شمع انجمن ص ۱۶۱-۱۶۰) اس رباعی کا انتساب سرمد کی طرف مناسب نہیں۔ روز روشن (صفحہ ۲۱۱) میں یہ رباعی محمد اکبر خاں وانا دہلوی کے نام سے درج ہے، یہ بھی صحیح نہیں۔ شمع انجمن میں پہلے مصرعے میں "گرما" اور دوسرے میں "سرما" ہے اور تیسرے مصرع میں "تمام سرد و گرم" کی جگہ "ہزار گرم و سرد" ہے۔ (غبار خاطر ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی صفحہ ۵۸-۳۵۷)۔

مولانا نے جو اس اعتماد کے ساتھ لکھا کہ یہ رباعی سرمد کی ہے، تو تعجب نہیں کہ مولانا نے اسے کہیں سرمد سے منسوب دیکھا ہو۔ لیکن مولانا مہر کے بقول "یہ رباعی یقیناً ذرہ کی ہے سرمد کی نہیں"۔

۴۔ کنگ ایڈورڈ روڈ، نئی دہلی۔

۹ ر ستمبر ۱۹۵۲ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا مکتوب مورخہ یکم ستمبر ملا۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ گرما بگزشت الخ سرمد شہید ہی کی رباعی ہے۔

امید کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔

راقم

محمد اجمل خاں

بخدمت،

جناب اسلم حیات صاحب (ایڈوکیٹ)

۷۔ ہٹ سنگھ روڈ، سنت نگر،

لاہور۔

(۸۱) مولانا عبدالماجد دریابادی (دریاباد ضلع بارہ بنکی)

(۱)

(مولانا دریابادی نے انجمن طبیہ (یوپی) کے آل انڈیا طبیہ کنونشن (لکھنؤ) کے افتتاح کی مولانا سے درخواست کی تھی۔ اسی سلسلے میں حکیم مشتاق احمد بھی مولانا سے ملے تھے۔ ۲۸ رجنوری ۱۹۵۳ء)

جناب محترم! تسلیم

آپ کا خط مولانا کو مل گیا تھا۔ حکیم مشتاق احمد صاحب بھی کنونشن کے سلسلے میں دہلی تشریف لائے تھے۔ مولانا کے لیے وقت نکالنا مشکل تھا۔ اس لیے انہوں نے معذرت کر دی تھی۔ آپ سے بھی وہ معذرت خواہ ہیں۔ اطلاعاً تحریر ہے۔

اجمل

(۸۲)

(۲)

(مولانا دریابادی کا یہ خط مولانا کے نام نہیں، اجمل خاں کے نام تھا اور دریافت کیا تھا کہ کیا محکمہ اثریات (آرکیالوجی) کی انگریزی مطبوعات معارف (اعظم گڑھ) اور صدق جدید (لکھنؤ) کو تبصرے کے لیے نہیں بھیجی جا سکتیں؟)

۱۱ر اکتوبر ۵۳ء

بہت ہی کم تعداد میں وہ چھپتی ہیں اور اخباروں کو نہیں بھیجی جاتیں۔

اجمل

(۸۳)

(۳)

(ظفر حسین خاں کی کتاب "مآل و مشیت" دارالمصنفین اعظم گڑھ نے چھاپی تھی۔ اس پر وزارت تعلیم نے پانچ ہزار روپے کا انعام دیا تھا۔ مولانا دریابادی نے مولانا کو اس کے لیے شکریے کا خط لکھا تھا۔ ۱۷ر مارچ ۱۹۵۵ء)

مولانا فرماتے ہیں کہ آپ نے "مآل و مشیئت" کے انتخاب کے بارے میں جن خیالات کا

اظہار کیا ہے ان سے خوشی ہوئی بلا شبہ اس امتیاز میں مصنف کے ساتھ دار المصنفین کا بھی حصہ ہے، جس نے اسے شائع کیا۔

محمد اجمل خاں

(۸۴)

(مولانا کے کلام کے بارے میں دریافت کیا تھا۔)

۶ر فروری ۱۹۵۷ء

وہ کلام ضائع ہو گیا۔

اجمل

(۸۵)

کشن گوپال (الہ آباد)

(مکتوب الیہ نے لکھا تھا کہ ان کے پاس مہابھارت کا فیضی کا کیا ہوا فارسی ترجمہ ہے اور وہ اسے فروخت کرنا چاہتے ہیں۔ ۲۳ر فروری ۱۹۵۳ء)

جناب من!

یہ خیال غلط ہے کہ مہابھارت کا ترجمہ فیضی نے کیا ہے۔ یہ کام بدایونی ملا شعری نے کیا ہے[1] اور دیباچہ ابو الفضل نے لکھا ہے اس لیے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ فیضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ موجود ہے۔ ممکن ہے کہ کسی نے فیضی کی اہمیت بڑھانے کے لیے فیضی کا نام لکھ دیا ہو۔

بہر حال صحیح رائے دیکھنے کے بعد قائم کی جائے گی۔ دیکھنے کے بعد اگر اس کا لینا ضروری نہ سمجھا گیا تو واپس کر دیا جائے گا۔

محمد اجمل خاں

نوٹ۔ مولانا دریابادی کے نام مولانا کا ایک خط "قادیانیت" کے سلسلے میں اس کتاب کے پہلے حصے میں شامل ہے۔

[1] یہ ترجمہ "رزم نامہ" کے نام سے فارسی میں ہے۔

صبغت اللہ قدوائی (کوٹہ ۔ راجستان) (۸۶)

(قدوائی صاحب نے قومی لائبریری کلکتہ میں مولانا کی افتتاحی تقریر کے حوالے سے البیرونی کے خلاصے کی درخواست کی تھی اور اجمل خاں کی کتاب "ترتیب نزول قرآن کریم" کے ملنے کا پتا دریافت کیا تھا۔ مولانا نے اپنی تقریر میں البیرونی کی کتاب "القانون" کے ایک قدیم مخطوطے کا ذکر کیا تھا۔ ۲۳۔ مارچ ۱۹۵۳ء)

جناب من !

مولانا کو خلاصہ لکھنے کی فرصت نہیں۔ البیرونی کی ہزار سالہ برسی کی کتاب، ایران سوسائٹی (نمبر ۱۰ دھرم تلہ اسٹریٹ) کلکتہ سے منگوا لیجیے۔ میری کتاب سنگم کتاب گھر (اردو بازار) دہلی سے ملے گی۔

اجمل

سید نظیر حسین (ہندوستانی سفارت خانہ ایران) (۸۷)

(ذوالقرنین سے متعلق مولانا کا مقالہ جو سورۃ الکہف کی آیت (یسئلونک عن ذی القرنین...... الآیۃ)، کی تفسیر میں ہے۔ اس کا فارسی ترجمہ مجلہ "ثقافتہ الہند" میں شائع ہوا تھا۔ انجمن زردشتیان ایران، اسے کتابی شکل میں چھاپنا چاہتی تھی۔)

یہ ترجمہ کتابی شکل میں تیر ماہ ۱۳۳۰ میں شائع ہو گیا۔ استانی پاریزی دبیر دانش کدہ، ادبیات (ایران) نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ سید نفیسی کے قلم سے "پیش گفتار"، اور سید نظیر حسین کے قلم سے مولانا کے حالات بھی شامل ہیں۔

کتاب کے تیسرے ایڈیشن (تیر ماہ ۱۳۴۲) میں مترجم کے قلم سے ایک مفصل مقدمہ کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔)

مارچ ۵۳ء

مولانا فرماتے ہیں کہ ترجمے میں کچھ غلطیاں تھیں وہ انہیں درست کر کے ڈاکٹر تارا چند کو دیدیں گے۔ جسے شائع کیا جائے۔

ٹائپ باریک تھا ذرا بڑا ہو تو بہتر ہے

محمد اجمل خاں

نجم الدین اصلاحی (سید عادی۔ اعظم گڑھ)

(۸۸)

("مکتوباتِ شیخ الاسلام" مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بارے میں مولانا کی رائے کے لیے درخواست کی تھی۔)

نئی دہلی

۵ رمئی ۵۳ء

آپ نے بہت اچھا کیا یہ مکتوبات شائع کر دیے۔ لیکن آپ کو مولانا کی عدیم الفرصتی معلوم ہے۔ اور ان کی عادت بھی نہیں ہے کہ وقت کی مطبوعات کے متعلق اظہار رائے کیا کریں۔
کام اپنی خوبی سے مقبول ہوتا ہے نہ کہ لوگوں کی تعریف سے۔ آپ نے ایک مفید کام کیا ہے۔ اس پر اعتماد کیجیے۔

اجمل خاں

ہوشیار جنگ ہوش بلگرامی (حیدر آباد دکن)

(۸۹)

(۱)

(ہوش بلگرامی نے اپنی خود نوشت "مشاہدات" مولانا کو بھیجی تھی اور دہلی میں مستقل قیام کی کوئی سبیل نکالنے کی درخواست کی تھی۔ مشاہدات کے بارے میں رائے اجمل خاں کی ہے، مولانا کی نہیں۔ ۱۰ رمئی ۱۹۵۲ء)

"مشاہدات"، ایک تاریخ ہے، افسانہ ہے شعر ہے، کوشش میں ہوں کہ آپ کے لیے جگہ نکلے۔

اجمل خاں

(۹۰)

(۲)

(مکتوب الیہ کے خط کے تمام مطالب جواب سے واضح ہو جاتے ہیں۔ ۱۲۔ اپریل ۱۹۵۵ء)

محبی! تسلیمات،

آپ کا خط مولانا کو مل گیا۔ مولانا کو خیال نہیں کہ حیدر آباد میں آپ سے کیا گفتگو ہوئی تھی۔
"کلیاتِ سعدی" کا قلمی نسخہ انڈین کونسل کے کتب خانے میں داخل کر دیا گیا تھا۔ اب اگر آپ چاہتے

ہیں کہ اس نسخے کے سلسلے میں کوئی رقم نکالی جائے تو اگرچہ یہ بات کچھ زیادہ موزوں نہ ہوگی اس لیے کہ یہ بات ریکارڈ میں آچکی ہے کہ آپ نے بطور تحفے کے یہ کتاب دی ہے، تاہم مولانا تیار ہیں کہ جو بورڈ قلمی کتابوں کے متعلق رائے قائم کرتا ہے، کتاب اس کے حوالے کردیں۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ جو قیمت بھی تجویز کی جائے گی وہ دو تین سو یا اس کے لگ بھگ ہوگی۔ اس لیے یہ آپ کے غور کرنے کی بات ہے کہ اس طرح کی کاروائی آپ کے مقصد کے لیے کچھ زیادہ سود مند ہوگی یا نہیں۔ مولانا اس کے لیے بھی تیار ہیں کہ آپ چاہیں تو کتاب واپس کردی جائے اور اس کا آپ کچھ اور استعمال کرسکیں ۔ آپ نے لکھا ہے کہ آپ نے یہ تحفہ اس لیے دیا تھا کہ کونسل آف اسٹیٹ کی ممبری آفر کی جائے۔ مولانا کا یہ خیال نہ تھا کہ اس طرح تجارتی لین دین آپ کے پیش نظر ہے۔

محمد اجمل خاں

(۹۱)

ڈاکٹر سید فیروز الدین (ناگپور)

۴ کنگ اڈورڈ روڈ۔

نئی دہلی،

۲۲ مئی ۵۳ء

جناب ڈاکٹر سید فیروز الدین صاحب مدظلہ

آپ کا مسودہ ہم رشتہ مکتوب ہٰذا ارسال خدمت ہے۔ حضرت مولانا نے بعض مقامات سے دیکھا ہے۔ انہیں اتنی تو مہلت نہیں کہ تفصیلی طور پر دیکھیں۔ بہرحال آپ نے محنت کی ہے۔ تو اسے شائع کردیں۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ۔

"جہاں تک شاہ ولی اللہ کا تعلق ہے ان کی مجتہدانہ اصلاحات، خصوصاً فقہ کے میدان میں اور اسرار شریعت کے میدان میں نہایت اہم ہیں لیکن تعلیم کے باب میں انہوں نے کوئی سسٹم قائم کیا ہو، یہ صحیح نہیں جو نصاب تعلیم اس وقت رائج تھا اس کی انہوں نے تحصیل کی تھی اور اسی کو انہوں نے بعض تحریرات میں لکھا ہے۔ حدیث پہلے سے شاہ عبدالحق صاحب (محدث دہلوی) کی کوششوں سے درس میں داخل ہو چکی تھی۔ لیکن غالباً صحاح ستہ اور موطا امام مالک درس میں داخل کرنا شاہ صاحب کی خصوصیت ہے۔ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ تفسیروں سے الگ مستقلاً قرآن کو بطور نصاب تعلیم کے قرار

دینا شاہ صاحب کے پیش نظر تھا اور اسی لیے انہوں نے فارسی میں ترجمہ کیا لیکن کوئی تصریح موجود نہیں کہ عملاً فارسی ترجمہ درس میں داخل ہوا۔ یہ اصلاح ان کے خاندان کے دو افراد یعنی شاہ عبدالقادرؒ اور شاہ رفیع الدینؒ نے کی اور اردو میں قرآن کا ترجمہ کیا یہ ترجمہ اگرچہ عام علمائے داخل درس نہیں کیا لیکن شاہ محمد اسمٰعیل شہید کی تحریک کے بعد علمائے اہل حدیث نے اسے داخل درس کردیا، چنانچہ مولوی نذیر حسین مرحوم ساری زندگی کتب حدیث کے ساتھ اس کا بھی درس دیتے رہے تھے۔

آپ نے اپنے مقالے کا جو عنوان "فلاسفی آف ایجوکیشن" رکھا ہے اس میں مجھے تامل ہے۔ اگر آپ اس کا عنوان "شاہ ولی اللہ ایز ریفارمر آف اسلامک لرننگ

(Shah Vali-ul-lah as reformer of Islamic learning).

رکھیں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس کی ضرورت محسوس کی تھی کہ حدیث کی کوئی ایسی بنیادی کتاب ہو جسے درس میں داخل کیا جا سکے اور جو حنفیت کے جمود کو کمزور کر سکے اور تقلیدی فقہ کی جگہ تحقیقی فقہ کا ذوق پیدا کر سکے چنانچہ اس غرض سے انہوں نے مؤطا امام مالک اختیار کی اور اس کی شرح عربی اور فارسی میں کی۔ اس کے دیباچے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حنفیت کے تقلیدی جمود کے خلاف ان کی مجتہدانہ رائے کیا تھی۔ لیکن ان چند باتوں کی بنا پر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے تعلیم کا کوئی نیا سسٹم قائم کیا ہو۔ اور ویسے تو علم و فن کی ہر اصلاح ایجوکیشن کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس لیئے جب ہم ایجوکیشن کا لفظ بولتے ہیں تو اس سے مقصود جنرل ایجوکیشن نہیں ہوتا۔

والسلام

محمد اجمل خاں

بخدمت ڈاکٹر فیروز الدین صاحب
۴۔ سٹار کی ٹاؤن،
ناگپور (ایم۔ پی)

(۹۲)

سید بادشاہ تکمیل رضوی لکھنوی،

(۱)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ لفظ "شکریہ" عربی ہے یا فارسی؟ ۲ رجون ۱۹۵۳ء)

لفظ "شکریہ" عربی لفظ ہے۔ لیکن اُردو میں جو شکریے کا لفظ رائج ہو گیا ہے وہ ترکیب عربی نہیں ہے۔ اگرچہ "شکریہ" عربی قاعدے کے لحاظ سے خاص مواقع پر بولا جا سکتا ہے۔

اجمل

---

(۹۳)

(۲)

اسلم لکھنوی کا شعر ہے۔

تن تنہا لڑے ہزاروں سے
بڑے شمشیر آزما تھے حسین

(اس پر اعتراض تھا کہ یہ شعر وزن سے خارج ہے۔ مکتوب الیہ کا خیال تھا کہ یہ بحر مثنوی کی ہے اور شعر درست ہے۔ مکتوب الیہ نے مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔)

نئی دہلی
۳ رنومبر ۵۴ء

وزن کے بارے میں آپ کی رائے صحیح ہے۔

محمد اجمل خاں

---

(۹۴)

(۳)

(سراج لکھنوی کا شعر ہے۔

پھول مسلا ہوا روندا ہوا کانٹا ہوں میں
پھر بھی صیاد کی آنکھوں میں کھٹکتا ہوں میں،

اس پر اعتراض کیا گیا تھا کہ پھول اور کانٹے کا صیاد سے کوئی تعلق نہیں۔ اس سلسلے میں مولانا

کی رائے دریافت کی گئی تھی۔۔ ۲۱ر مئی ۱۹۵۲ء)

حضرت مولانا نہیں خیال کرتے کہ صیاد کے لفظ کی وجہ سے شعر قابل اعتراض ہو گیا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر صیاد کی جگہ باغبان کا لفظ ہوتا تو زیادہ موزوں ہوتا۔

محمد اجمل خاں

(۹۵) سید زین العابدین موسوی (کلکتہ)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ کیا حکیم لطیف محمد خاں بھوپالی کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ وہ مولانا کے معالج رہ چکے ہیں؟ ۲۔ ترجمان القرآن جلد سوم چھپ گئی یا نہیں؟ ۲۹ر جولائی ۱۹۵۲ء)

یہ غلط ہے، مولانا کا انہوں نے علاج نہیں کیا۔ بقیہ ترجمان القرآن ابھی چھپی نہیں۔

محمد اجمل خاں

(۹۶) محمد اسمٰعیل شطاری میرٹھی

(۱)

(شطاری صاحب نے مسلمانوں کی مذہبی اور اخلاقی اصلاح کے لیے صفات الصفوۃ کے نام سے ایک کتاب شائع کی تھی اور مولانا کے نام اسے معنون کیا تھا۔ پھر مولانا کی خدمت میں اس کا ایک نسخہ بھیجتے ہوئے مولانا سے اس پر تبصرے کی درخواست کی تھی۔)

پرائیویٹ سیکرٹری وزیر تعلیم۔ ہند
۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۲۹ر جولائی ۱۹۵۲ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا خط مورخہ ۲۷ر جولائی ۱۹۵۲ئلا۔ آپ کی کتاب صفات الصفوۃ پہنچ گئی تھی اس کا شکریہ قبول فرمایئے۔ یقیناً آپ نے کافی محنت و کاوش سے یہ کتاب تیار کی ہے۔ آپ نے اسے حضرت مولانا کے نام سے معنون کیا ہے بہت اچھی بات ہے۔

راقم نیازمند
محمد اجمل خاں

(۹۷)

(۲)

(شطاری صاحب نے دوبارہ کتاب کی یاددہانی کراتے ہوئے تبصرے کی درخواست کی تھی۔)

پرائیویٹ سکریٹری وزیر تعلیم ہند
کنگ اڈورڈروڈ۔ نئی دہلی

۸ر ستمبر ۱۹۵۵ء

جناب محترم تسلیم

آپ کا خط مورخہ ۶ ر ستمبر ملا جس میں آپ نے ۲۷ ر جولائی ۱۹۵۳ء کی کتاب صفات الصفوۃ کے متعلق تبصرے کی خواہش کی ہے کتاب حضرت مولانا کو مل گئی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اس کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے آپ نے یہ کتاب لکھ کر عوام کی اصلاح کی کوشش کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے

رقم
محمد اجمل خاں[۱]

جناب محمد اسمٰعیل شطاری صاحب
بازار بزازہ متصل چھتہ انترام
شہر میرٹھ۔ یوپی

شری کے ایل سہال[۲]

(۹۸)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ کیا ہندی الفاظ سجاوٹ، بناوٹ وغیرہ کی "اوٹ"، اور عربی الفاظ مسافرت، مصاحبت وغیرہ کی "رت" میں کوئی تعلق ہے؟ کیا عربی میں "اوت" یا "مت" کوئی لاحقہ ہے؟ اور کیا کہاوت اصل میں "کہہ بات" ہے؟۔)

---

[۱] شطاری صاحب کے نام پہلا خط ادبی خطوط وجواہات آزاد میں نہیں تھا اور دوسرے خط کی بھی صرف دو سطریں مولانا کے فرمان پر مشتمل درج تھیں۔ دونوں مکمل خط شطاری صاحب کی عنایت سے درج کیے جاتے ہیں۔

[۲] صدر شعبۂ ہندی و سنسکرت، برلا آرٹس کالج۔ راجستھان

۱۷/ اگست ۵۳ء

جناب من!

۱۔ عربی سے ان کا تعلق نہیں۔

۲-۳۔ عربی میں آوت اور "ت" لاحقہ نہیں ہیں۔

۴ "کہاوت" کہنا سے نکلا ہے لیکن یہ "کہہ بات" نہیں ہے۔ کسی خاص گرامر کے قاعدے سے یہ نہیں بنا۔ محض عرصے تک استعمال کرنے کے بعد یہ معنی پیدا ہوئے ہیں۔ گرامر کے قاعدے زبان بننے کے بہت دنوں بعد بنتے ہیں۔ لہذا ہم لفظ کے متعلق بعد میں بنے ہوئے قاعدوں سے انہیں نہیں پرکھ سکتے۔

محمد اجمل خاں

سید امیر حسن نورانی [۱] (لکھنؤ)

(۹۹)

(نول کشور پریس کی طرف سے غزالی کی احیاء العلوم اور شعراء کے کلام کی اشاعت کے بارے میں مولانا کی رائے معلوم کی تھی۔ ۱۲/ نومبر ۱۹۵۳ء)

جناب من! تسلیم

مولانا فرماتے ہیں کہ: احیاء العلوم کے ترجمے کا نیا ایڈیشن ضرور مقبول ہوگا۔ اور اردو کے جو مشہور شعرا گذرے ہیں اگر ان کے دیوان ایک سائز ایک جیسی کتابت اور ایک طرح کی جلد و کاغذ کی صورت میں چھاپے جائیں تو وہ بھی مقبول ہوں گے۔ بشرطیکہ یہ ہے کہ وہ از سر نو تصحیح کر کے شائع کیے جائیں۔ (کیونکہ پرانے نولکشوری ایڈیشن بہت غلط ہیں) اسی طرح صحیح اور خوشنما ایڈیشن میر انیس کا بھی نہیں چھپا۔ اس کے علاوہ فارسی کتابوں کی بھی ہندوستان سے باہر مانگ ہے۔ ایران میں میں نے دیکھا کہ لوگ شکایت کرتے تھے کہ اب وہ کتابیں جو ہندوستان میں چھپتی تھیں نہیں ملتیں مثلاً دیوان مولانا روم جو غلطی......

---

[۱] لٹریری ایڈوائیزر (شعبۂ اردو) نول کشور پریس بک ڈپو دیکشن راجہ رام کمار، لکھنو

سے شمس تبریزی کے نام سے نول کشور پریس میں چھپا، اس کی ایران میں بہت مانگ تھی۔
اگر نول کشور پریس کی پرانی فہرستیں دیکھی جائیں تو اس طرح کی کافی کتابیں نکلیں گی، جن کا شائع کرنا تجارتی نقطۂ نظر سے بھی مفید ہوگا۔ اکبر نامہ، آئین اکبری، منتخب التواریخ کے ایشیاٹک سوسائٹی ایڈیشن اور نول کشوری ایڈیشن بھی نہیں ملتے۔ اگر ان کو اچھے کاغذ و کتابت کے ساتھ شائع کیا جائے تو ہندوستان سے باہر بھی کام چلے گا۔ میرا مشورہ یہ ہوگا کہ ابتدا میں بڑی کتابیں شائع نہ کریں، چھوٹی کتابوں سے شروع کریں۔

محمد اجمل خاں

(۱۰۰)

کیفی چریا کوٹی (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

(مکتوب الیہ نے مولانا کی شان میں عربی، فارسی، اردو، ہندی اور انگریزی کی پانچ نظمیں لکھ کر بھیجی تھیں۔ دسمبر ۱۹۵۲ء)

بھائی کیفی!

مولانا آپ کے والد مرحوم سے واقف تھے۔ سر شاہ محمد سلیمان سے ان کا جو تعلق ہو سکتا ہے وہ اظہر الشمس ہے۔ الٰہ آباد سے کب علی گڑھ آئے؟ وہاں کی صحبتیں یاد آتی ہیں۔ علی گڑھ کی علمی فضا میں کم از کم کتب خانے میں تو آپ کو سکون ملتا ہوگا۔
آپ کی نظموں پر مولانا نے ایک نظر ڈال لی ہے۔ حالات بدل رہے ہیں۔ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰی،، پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰی،، بھی پردہ غیب سے ظاہر ہے۔ اور ظاہر ہوتا رہے گا۔

محمد اجمل خاں

(۱۰۱)

بدر جلالی[1] (مراد آباد)

(۱)

(جلالی صاحب نے لکھا تھا کہ ان کے لیے بھی کوئی خدمت تجویز کی جائے۔ فروری یا مارچ ۱۹۵۳ء)

برادرم! تسلیم
مولانا فرماتے ہیں کہ کوئی کام ہو تو آپ کو اور تمام عزیزوں کو موقع دوں۔ لیکن جو

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر

حالات ہیں وہ آپ دیکھ رہے ہیں۔

اجمل

---

(۱۰۲)

(۲)

برادرم ومشفقم!

خدا آپ کو تندرست رکھے۔ دنیا کے اقتصادی بحران اور تفاخر نسل وسائنس نے سب کو پریشان کر رکھا ہے۔ اس ایٹم کی بدولت بغیر مارے ہی سب مرنے والے ہیں یعنی صحت پر ریڈیائی لہریں بُرا اثر ڈال کر دماغوں کو ماؤف اور عمل کو کمزور بنانے کے لیے کافی ہے۔ دوا کا استعمال کیا مگر اللہ کی مرضی نہیں تھی کہ اثر ہو[1]۔

آپ کے معاملات[2] کا ذکر قاضی صاحب[3] سے ہوا ہے وہ خود انجمن کو بہ مشکل چلا رہے ہیں، کچھ ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو اپنی نفسانیت کی وجہ سے انجمن کے رکن ہو کر انجمن کو ڈھانا چاہتے ہیں۔ باقی عند الملاقات۔

اجمل

حاشیہ صفحہ گذشتہ:

[1] بدر مرحوم علی گڑھ میں میرے زمانۂ طالب علمی میں تھے۔ ہاکی فرسٹ الیون کے ممبر تھے۔ رلم لال کپ کے جیتنے والوں میں سے تھے۔ آغا مرزا اور محبوب عالم کے ساتھیوں میں سے تھے۔ عرصے تک "خلافت" بمبئی کے مدیر رہے پھر "ندیم" بمبئی نکالا۔ خوش گو شاعر بھی تھے۔ مگر خلافت کی تحریک کے بعد بچوں کو تعلیم بھی نہ دلا سکے۔ کلکتے میں ۱۹۴۷ء میں ملاقاتیں ہوئیں۔ پھر بیماری نے گھیر لیا۔ اللہ مغفرت کرے (اجمل خاں)

حاشیہ صفحہ ہذا:

[1] اجمل خاں صاحب کی اہلیہ بیمار تھیں ان کے لیے بدر جلالی صاحب نے کچھ دوائیں تجویز کی تھیں لیکن فائدہ نہیں ہوا تھا۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ [2] انجمن ترقی اردو (ہند) میں کسی جگہ کے خواہاں تھے۔ [3] مراد قاضی عبد الغفار ہیں۔

عبدالرحیم (قصبہ بنت۔ ضلع مظفرنگر) (۱۰۳)

(مکتوب الیہ پاکستان سے ہندوستان گئے تھے اور مولانا سے شرف ملاقات کے متمنی تھے اجمل خاں صاحب ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ "غالباً یہ وہی صاحب زمزم کمپنی (لاہور) کے ہیں ۔ جنہوں نے ترجمان القرآن چھاپا تھا")

۱۲ / اپریل ۵۴ء

مولانا فرماتے ہیں کہ

کیوں آپ سفر کی زحمت اٹھائیں ۔ ہر طرح کی ضروری باتیں خط کے ذریعے سے بہ آسانی ہو سکتی ہیں ۔

محمد اجمل خاں

مولانا ابوالجلال ندوی (۱۰۴)

(ہڑپا اور موئن جو ڈرو سے دستیاب شدہ مہروں کی عبارتوں اور ان کے مطالب پر مشتمل کتاب کا مسودہ مکتوب الیہ کے زیر ترتیب تھا اسی کے متعلق لکھا تھا ۔ ۲۳ / اپریل ۱۹۵۴ء)

مکرمی تسلیم ۔

مولانا فرماتے ہیں کہ جو چیز آپ نے مرتب کی ہے سامنے آئے گی تو ضرور اسے دیکھیں گے ۔

رقم

اجمل

عبدالقادر بھاگلپوری (لاہور) (۱۰۵)

(مولانا کے الہلال کے زمانے کے دوست کے محبت نامہ کے جواب ہیں ۔ ۷ / جولائی ۱۹۵۴ء)

صدیقی!

مدت کے بعد آپ کی صدائے محبت سے سامعہ آشنا ہوا ۔ آپ نے اپنے موجودہ حالات نہیں لکھے ۔ اگر ممکن ہو تو لکھیے ۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ،

ابوالکلام

(۱۰۶)

شورش کاشمیری (لاہور)

(۱)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دھلی

۳۰۔ جولائی ۱۹۵۴ء

برادرم محترم تسلیم

گرامی نامہ بلا تاریخ ملا۔ آپ نے بستر علالت سے یاد فرمایا اس یاد آوری کا شکریہ۔ حضرت مولانا فرماتے ہیں کبھی موقع ہو تو دلی آکر ملیں۔

استقلال نمبر کب نکلنے والا ہے[1] آپ کا پرچہ یہاں پہنچ جاتا ہے اس کا شکریہ قبول فرمائیے۔

خدا کرے آپ جلد صحت یاب ہو کر یہاں آسکیں۔

نیازمند

اجمل

(۱۰۷)

(۲)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۶ / جنوری ۱۹۵۵ء

برادرم تسلیم،

گرامی نامہ (بلا تاریخ) ملا۔ حضرت مولانا نے کئی مرتبہ فرمایا کہ آپ یہاں کیوں نہیں آتے اور دو چار دن ٹھہرتے؟

امید ہے آپ فروری میں ضرور وقت نکال کر آئیں گے۔ بفضلہ مولانا بالکل اچھے ہیں۔ امید ہے آپ کی شوریدہ سری بدستور ہو گی۔

محمد اجمل خاں

---

[1] چٹان کا یہ شاندار نمبر جس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

(۱۰۸)

(۳)

۱۶ / نومبر ۵۵ء

برادرِ گرامی قدر! تسلیم

آپ کا مکتوب مورخہ ۶ / نومبر ۵۵ء پہنچا۔ آپ نے نمونہ اخبار مع مکتوب روانہ فرمایا تھا۔ وہ بھی ملا اور حضرت مولانا کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ماشاءاللہ کتابت و طباعت نہایت دیدہ زیب ہے۔

میں نے عرصہ ہوا لکھا تھا کہ حضرت مولانا فرماتے ہیں کبھی موقع ہو تو آپ دہلی آکر مل لیں۔ اور اس موقع پر بھی حضرت مولانا نے یہی فرمایا ہے۔ پہلے خط کا ہاں یا نہیں میں کوئی جواب نہیں ملا۔ معلوم نہیں خط آپ تک پہنچا بھی یا نہیں۔ اس مرتبہ جواب کا انتظار ہے اس کے بعد آپ کے "طلبی مضمون" کے سلسلے میں کچھ عرض کروں گا[1]

اگر زمزم کمپنی لمیٹڈ کا پتا معلوم ہو تو تحریر فرمائیے۔

نیاز مند

اجمل

(۱۰۹)

(۴)

(اجمل خاں صاحب کا یہ مضمون "اپ نشد یا فلسفۂ ہند" کے عنوان سے چٹان میں جنوری ۱۹۵۶ء کے خاص نمبر میں شائع ہوا)

نئی دہلی

۲۸ / نومبر ۵۵ء

بھائی شورش!

چٹان کے سالنامہ کے لیے بھاری بھر کم مضمون کی ضرورت ہے۔ میں نے چٹان ہی کی مناسبت سے ہندوستان کے قدیم فلسفیوں اور صوفیوں کے خیالات پر قلم اٹھایا

---

[1] چٹان کے خاص نمبر کے لیے حضرت مولانا سے اور اجمل خاں صاحب سے مضمون کی فرمائش تھی۔

ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں یہ سلسلہ جاری رکھ سکوں گا اور شورش انگیز قلوب کے لیے سامان سکون و راحت مہیا کر سکوں گا (۱)۔

والسلام

محمد اجمل خاں[۱]

(۱۱۰) مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی (لکھنو)

(کسی علمی خدمت کے لیے پیش کش کے جواب میں)

۲۴ر اگست ۵۴ء

بہت افسوس ہے کہ یہاں آپ کی شمولیت کا ابھی کوئی موقع نہیں ہے۔

اجمل

(۱۱۱) سری کرشن داس ویاس (رانی کھیت ضلع الموڑہ)

(ویاس نے دریافت کیا تھا کہ یہ دو مصرعے کس کے ہیں ؟

(۱) بیا در کشتی چشم نشین و سیر دریا کن

(۲) منم آن شمع تنہائی کہ در ویرانہ ای سوزد۔ نیز شالا مار باغ کا صحیح نام اور وجہ تسمیہ دریافت کی تھی مولانا نے صرف پہلے مصرعے کا حوالہ دیا ۲۰ر ستمبر ۱۹۵۴ء)

پہلا مصرع آتشی قندھاری کا ہے۔ عبد القادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں ذکر کیا ہے اور یہ مطلع لکھا ہے۔

شالا مار کے بارے میں کئی روائتیں ہیں صحیح وجہ تسمیہ بیان نہیں کی جا سکتی۔ شالا مار باغ دلی میں بھی تھا۔ اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کا وہیں سے اعلان کیا تھا لیکن اب اس کا نام نشان باقی نہیں ہے۔

ابو الکلام[۲]

---

[۱] شورش کاشمیری کے نام ایک خط اس مجموعہ کے حصہ اول میں "فتنہ قادیانیت" کے ذیل میں درج ہے۔

[۲] یہ خط جوابات آزاد میں نہیں تھا ماہنامہ آجکل دہلی کے ابو الکلام آزاد نمبر سے نقل کیا گیا۔

عاجز خلیل (بمبئی) (۱۱۲)

(ترجمان القرآن میں مولانا نے عربی کا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے۔

"وستعلم لیلی ای دین تدانیت

وای غریم فی التقاضی غریمہا"

عاجز خلیل کا خیال تھا کہ یہ لفظ "دَین" ہے جو قرض کے معنی میں استعمال ہوا ہے مولانا نے اسے دِین سمجھا ہے اور بدلے اور مکافات کے معنی لیے ہیں۔ عاجز خلیل نے مولانا کے نام خط میں اپنے اسی خیال کا اظہار کیا تھا۔ ۱۲ر ستمبر ۵۴ء)

مولانا مطمئن ہیں کہ اس کا یہی مفہوم ہے[1]

اجمل

ڈاکٹر سید محمود (حق منزل۔ چھپرہ) (۱۱۳)

(ڈاکٹر صاحب دہلی میں مولانا کے یہاں ٹھہرنا چاہتے تھے۔ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۵۴ء)

جناب محترم! تسلیم

خط مل گیا۔ آپ ضرور مولانا کے یہاں ٹھہریں گے۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار کر دیجیے گا۔ تاکہ کار بھیج دیں۔

اجمل

ضمیر حسن خاں دلؔ (شاہجہان پور) (۱۱۴)

(دل صاحب اپنا ایک دیوان مولانا کے نام معنون کرنا چاہتے تھے اس سلسلے میں اپنے حالات اور خط لکھا تھا)

یہ نوٹ مولانا کی جانب سے ہے جو انہوں نے دل صاحب کے خط پر لکھ دیا تھا۔ اجمل خاں صاحب

---

[1] اس شعر کے متعلق رسالہ برہان (دہلی) میں بھی کہا گیا ہے کہ یہ دِین نہیں دَین ہے لیکن مولانا کا جواب یہی ہے جو اوپر درج ہے۔ (اجمل خاں)

نے اس کی روشنی میں جواب لکھ دیا اور وظیفہ مقرر کیے جانے کے لیے کارروائی کی گئی۔

۱۶/نومبر ۵۴ء

کتاب کو بغیر کسی تعنون کے شائع ہونا چاہیے۔ ان کا وظیفہ مقرر ہونا چاہیے۔

آزاد

نسیمۃ النسا بیگم ہمشیرہ مولانا حسرت موہانی (حیدر آباد دکن) (۱۱۵)

(بیگم حسرت موہانی سخت بیمار تھیں۔ اس وقت تک یو پی گورنمنٹ کے مقرر کردہ وظیفے کی انہیں اطلاع نہیں ملی تھی۔ نسیمہ صاحبہ نے مولانا سے ان کے لیے وظیفے کی درخواست کی تھی نیز کلیات حسرت اور شرح دیوان غالب کے کچھ نسخے فروخت کے لیے موجود تھے۔ اس سلسلے میں بھی مولانا کی امداد کی طالب تھیں۔)

۲ ستمبر ۵۴ء

یو پی کا نہیں معلوم، مرکز سے وظیفہ مقرر ہو گیا ہے۔ کتابوں کے لیے انجمن ترقی اردو کو لکھیے۔

محمد اجمل خاں

سروشؔ[۱] (ملیح آباد) (۱۱۶)

(سروش صاحب اپنے مجموعہ کلام کو مولانا کے نام معنون کرنا چاہتے تھے ۱۹۵۴ء)

مولاناؒ کا مشورہ یہ ہوگا کہ آپ کلام شائع کیجیے۔ کلام خود اپنی جگہ نکال لے گا۔ ان کے خیال میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کسی شخص کے نام اسے معنون کیا جائے۔ زیادہ سنجیدہ طریقہ ارباب قلم کے لیے یہ ہے کہ وہ کوئی سہارا نہ ڈھونڈیں۔

محمد اجمل خاں

۱۔ سروش ملیح آبادی، شاعر انقلاب جوش ملیح آبادی کے برادر زادہ ہیں۔

آنند موہن زتشی گلزار دہلوی (۱۱۷)

(مکتوب الیہ نے لال قلعہ دہلی میں مجوزہ قومی مشاعرے کے انتظامات اور مشاعرے کو کامیاب بنانے کے لیے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ ۱۱ر جنوری ۵۵ء)

اس کا ڈیفینس سے تعلق ہے۔ ہم سے نہیں۔

محمد اجمل خاں

حیات اللہ انصاری (مدیر قومی آواز، لکھنؤ) (۱۱۸)

(کسی صاحب نے کہا تھا کہ مولانا آزاد حیات اللہ انصاری سے بہت خفا ہیں۔ وہ ان کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ انصاری صاحب نے حقیقت حال دریافت کی تھی۔)

۲۸ر جنوری ۱۹۵۵ء

برادرم! تسلیم

بالکل فضول بات ہے۔ مولانا نے اس طرح کی بات کسی سے نہیں کی۔

محمد اجمل خاں

افضل العلماء ڈاکٹر مولوی عبدالحق (مدراس) (۱۱۹)

(۱)

(مکتوب الیہ اپنا نادر ذخیرہ کتب فروخت کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں مولانا کو لکھا تھا۔ ۱۲ مارچ ۱۹۵۵ء دوسرا خط بھی اسی سلسلے میں ہے)

مولانا ان مشکلات کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں، جو کتابوں کے حاصل کرنے میں ہوتی ہیں۔ آپ ایک مجموعی (لمپ سم) کا اندازہ کر کے لکھ دیجیے۔ پھر مولانا جو کہنا چاہیں گے آپ سے دوستانہ مشورے کے طور پر کہہ دیں گے۔ اس لیے کہ انہیں آپ سے کوئی تکلف نہیں ہے۔ ظاہر ہے آپ نے ان کتابوں کو بہت کوشش کے ساتھ خریدا ہے۔

محمد اجمل خاں

(۱۲۰)

(۲)

سکریٹری[۱] نے آپ کو خط لکھا ہے یا نہیں اور آپ نے کوئی جواب دیا ہے یا نہیں؟ کتابوں کے سلسلے میں مولانا نے افسوس کیا ہے کہ اتنی رقم کا انتظام نہیں ہو سکتا[۲]

اجمل

(۱۲۱)

آشفتہ لکھنوی (از حیدر آباد دکن)

(آشفتہ لکھنوی چند کتابیں فروخت کرنا چاہتے تھے۔ جوش صاحب نے ان کے لیے سفارش کی تھی ۱۸؍ مارچ ۱۹۵۵ء)

قرآن کی ضرورت نہیں۔ کلیات سودا کی قیمت کا فیصلہ بغیر اس کے معائنے کے نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ وہ نسخہ گورنمنٹ کو بھیج سکتے ہیں تو معائنے کے بعد اسے واپس کر دیا جائے گا اور بتلایا جائے گا کہ کتنی قیمت دی جا سکتی ہے۔ آپ اسے رجسٹرڈ انشورڈ کے ذریعے بھیج دیں۔ ضروری مصارف دے دیے جائیں گے۔

اجمل

(۱۲۲)

راگھو بندر راؤ جذب عالم پوری (از حیدر آباد دکن)

(اشارہ "معلومات جذب" کی طرف ہے، مکتوب الیہ اسے مولانا کے نام معنون کرنا چاہتے تھے۔ ۲۰؍ مارچ ۱۹۵۵ء)

جناب من!

یہ کتاب رجسٹرڈ واپس ہے آپ نے اپنے کلام کے جو مجموعے بھیجے تھے وہ مولانا کو وصول ہوئے۔ انہیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ باوجود مادری زبان نہ ہونے کے، آپ نے اردو زبان میں ادب و شاعری کا اچھا ذوق بہم پہنچایا اور اس کی خدمت میں سرگرم رہے۔

۱؎ پروفیسر ہمایوں کبیر سکریٹری وزارت تعلیمات (ہند) کی طرف اشارہ ہے۔

۲؎ مکتوب الیہ اپنی نادر کتب کا تیس ہزار روپیہ تک میں معاملہ کرنے پر راضی تھے۔ یکم اپریل ۱۹۵۵ء

آپ نے "معلومات جذب"، کا جو قلمی نسخہ بھیجا ہے اسے اس غرض سے واپس کیا جاتا ہے کہ آپ اس کی طباعت کا اہتمام کرسکیں۔ آپ نے اسے مولانا سے منسوب کرنا چاہا ہے اس کی نسبت ان کا خیال ہے کہ نسخے سے یہ حصہ نکال دیجیے۔ شخصی انتساب کا طریقہ کسی مصنف کے لیے کوئی خوبی کی بات نہیں ہے۔ جو چیز نکلنی چاہیے بغیر کسی انتساب کے نکلنی چاہیے۔ اگر آپ کو مولانا کے اس مشورے سے اتفاق ہو تو اس صورت میں مولانا کو خوشی ہوگی، آپ اسے شائع کر دیں۔ اگر کسی وجہ سے آپ کو مولانا کے مشورے سے اتفاق نہ ہو تو اس صورت میں اسی کی اشاعت کا بصورت موجودہ قصد نہ کریں۔

محمد اجمل خاں

(۱۲۳)

سید ذکی الدین (ویلور)

(مولانا نے غبار خاطر میں ناصر جنگ شہید (میر احمد خاں نظام الدولہ ناصر جنگ کی موسیقی دانی کے سلسلے میں ایک کتاب "شہادت نامہ"، کا ذکر کیا تھا۔ مکتوب الیہ کو اسی کے متعلق معلومات درکار تھیں ۹/ اپریل ۱۹۵۵ء)

مولانا کو مصنف کا نام یاد نہیں۔ ناصر جنگ کے امرائیں سے تھا۔ "شہادت نامہ" ایک کتاب آصف جاہ ناصر جنگ کے حالات میں لکھی ہوئی تھی، مولانا نے اس کا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ غالباً یہ مدارس میں بجنسہٖ یا ترجمے کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔ نام یاد نہیں۔

محمد اجمل خاں

(۱۲۴)

نسیم قریشی (مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ)

(علی گڑھ میگزین' کا "علی گڑھ نمبر" مولانا کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ ۹/ اپریل ۱۹۵۵ء)

نمبر مل گیا، مولانا کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مضمونوں کا ایک اچھا مجموعہ آپ نے مرتب کر دیا ہے۔

محمد اجمل خاں

غیاث عالم ڈسٹرکٹ جج گورکھپور (۱۲۵)

(مکتوب الیہ نے امین عباسی ایک صاحب علم کے لیے سفارش کی تھی کہ انھیں کسی مناسب جگہ لگا دیا جائے۔ عباسی صاحب نے فلسفہ سائکھیہ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا اور اسے حکومت کی جانب سے شائع کیے جانے کے خواہش مند تھے۔)

نئی دہلی

۲۰ اپریل ۱۹۵۵ء

مشکل یہ ہے کہ سنٹرل گورنمنٹ میں کوئی اس طرح کی جگہ ہے نہیں۔ تعلیمی صیغہ اسٹیٹ سبجیکٹ ہے۔ البتہ یہ چیز ہو سکتی ہے کہ گورنمنٹ ایسے اہل قلم کو جنہوں نے قلمی خدمات انجام دی ہیں اور آب آخری عمر میں عدم استطاعت کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں، وظیفہ دیتی ہے۔ مولوی صاحب ممدوح ایک درخواست اس مضمون کی بھیج دیں کہ انھوں نے فلاں فلاں کتابیں لکھی ہیں اور اب عدم معیشت کی وجہ سے پریشان ہیں تو مولانا کوشش کریں گے کہ اگر اس طرح کا وظیفہ دیا جا سکتا ہے تو اس کا انتظام ہو جائے۔ یہ درخواست سکریٹری ایجوکیشن منسٹری کے نام بھیجی جائے اور ایک نقل مجھے بھی بھیج دی جائے۔

محمد اجمل خاں

محمد مسلم (سہ روزہ دعوت، دہلی) (۱۲۶)

(مسلم صاحب نے خوارج کے بارے میں مولانا کی کسی تحریر اور افتائ کی ذمہ داروں کے بارے میں مولانا کے کسی مقالے کا حوالہ دریافت کیا تھا نیز یہ کہ مولانا کی ذاتی لائبریری سے استفادے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟)

۲۸ اپریل ۱۹۵۵ء

۱۔ نہیں ہے۔

۲۔ نہیں

۳۔ انڈین کونسل کی لائبریری میں جا کر استفادہ کیا جا سکتا ہے[1]

---

[1] تینوں سوالوں کا جواب مولانا نے اپنے قلم سے حاشیہ خط میں سوال کے سامنے لکھ دیا تھا اور اجمل خاں نے اسے خط کی شکل میں مکتوب الیہ کو بھیج دیا تھا۔ لیکن یہ خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچ سکا۔ مسلم صاحب کے خط پر صرف یہی تین جملے محفوظ رہ گئے جو "جوابات آزاد" میں چھپ گئے۔

محمد اقبال شیدائی (کراچی)

(۱۲۷)

(شیدائی صاحب نے مولانا سے ملاقات کی خواہش کی تھی۔ ۱۰/ اپریل ۱۹۵۵ء)

۲/ مئی ۱۹۵۵ء

برادرم! تسلیم

آپ کا خط مولانا کو مل گیا۔ انہیں بڑی خوشی ہوگی اگر آپ دلی آئیں۔ ملاقات ہو جاتی گی۔ غالباً جون میں وہ لندن میں ہوں گے۔ اگر آپ بھی لندن میں ہوں تو انڈین ہائی کمیشن میں آکر ملنے کی ضرور کوشش کیجیے۔

محمد اجمل خاں

ڈاکٹر محمد نظام الدین (حیدرآباد دکن)

(۱۲۸)

(۱)

(جامعہ عثمانیہ سے سبکدوشی کے بعد ڈاکٹر صاحب دائرۃ المعارف کے ڈائرکٹر ہو گئے تھے دائرے کے کام ہی کے سلسلے میں مولانا کو خط لکھا تھا۔ ۷/ اگست ۱۹۵۵ء)

برادر محترم!

تفصیلی خط مولانا نے ملاحظہ فرمایا۔ انہیں بہت خوشی ہوئی کہ دائرہ عمدہ طور پر اپنے کاموں کو آگے بڑھا رہا ہے "نزھۃ الخواطر" کابل جناب فیضی صاحب کو (نمبر ۹، رابرٹس لین، بمبئی) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بھیج دیجیے۔

محمد اجمل خاں

(۱۲۹)

(۲)

(ابوریحان البیرونی کی مشہور عالم تصنیف جس کا نیا ایڈیشن اسی زمانے میں دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن کی جانب سے شائع کیا گیا تھا۔ ۲۳/ اگست ۱۹۵۶ء)

کتاب الہند کی طباعت و اشاعت یقیناً ایک علمی و ثقافتی کارنامہ ہے۔ دائرۃ المعارف کی شہرت ہندوستان کی شہرت ہے۔ حیدرآباد کے پولیس ایکشن کے زمانے میں متعدد

استفسارات بیرونِ ہند سے اس ادارے کی سلامتی کے متعلق موصول ہوتے تھے۔ آپ کے ذاتی مسئلے پر غور ہو رہا ہے۔

ابو الکلام[1]

سید وقار عظیم (مشرقی پاکستان) (۱۳۰)

(وقار صاحب کو ابو العلا حکیم ناطق لکھنوی کے دیوان کا مخطوطہ دستیاب ہوا تھا۔ وہ اسے ایڈٹ کر رہے تھے۔ اس کے مقدمہ کے لیے مولانا سے ناطق کے فن اور شخصیت پر مضمون کی فرمائش کی تھی نیز اپنے بھائی سید اقبال عظیم کی کتاب "مشرقی بنگال میں اردو" مولانا کو تحفہ بھیجی تھی ۱۹ اکتوبر سنہ ۱۹۵۵ء)

مولانا کو اس بارے میں کچھ علم نہیں۔ کتاب پہنچ گئی شکریہ!

اجمل

مولوی بشیر الدین (اٹاوہ) (۱۳۱)

مکتوب الیہ نے اردو فارسی مخطوطات کے تحفظ کے لیے ایک اسکیم بھیجی تھی۔ نیز اطلاع دی تھی کہ بعض اصحاب ان کی صد سالہ جوبلی منانے کی تیاری کر رہے ہیں۔)

یکم نومبر ۱۹۵۵ء

مولانا جو کچھ کر سکتے ہیں، اس کے لیے وہ پوری کوشش کریں گے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ایک خاص حد تک ہی کوشش کامیاب ہو سکتی ہے۔ میوزیم کے لیے از سرِ نو غور کر کے ایک مختصر اور کم سے کم اسکیم بنائی جائے تو بھیج دیجیے[2]۔ مولانا پھر اس پر غور کریں گے۔

مولانا کو یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ آپ کی صد سالہ تقریب منانے کی کاروائی کی جا رہی ہے۔ اس تقریب سے خود آپ کو تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن ہاں! تقریب منانے والے مسلمانوں کی ایک خدمت ضرور انجام دیں گے۔

اجمل خاں

---

[1] یہ خط "جواباتِ آزاد" میں نہیں تھا آجکل دہلی کے ابوالکلام آزاد نمبر سے نقل کیا گیا۔

[2] کم سے کم سے کیا مراد ہے؟ میرے استفسار کے جواب میں مولانا مہر نے ان الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔ "بظاہر اس سے مراد ہے کہ وہ زیادہ پھیلی ہوئی اور وسیع نہ ہو۔ مختصر ہو اور کم سے کم شعبوں پر مشتمل ہو۔"

(۱۳۲) مولوی مسعود علی ندوی (دار المصنفین، اعظم گڑھ)

(مکتوب الیہ تاریخ ہند کے تصنیفی منصوبے کے سلسلے میں مولانا سے مشورہ کرنا چاہتے تھے۔)

۲۹ر نومبر ۱۹۵۵ء

مکرمی! تسلیم،

آنے سے پہلے درخواست بھیج دیجیے۔ مولانا کو ضرورت ہو گی تو بلا لیں گے۔

محمد اجمل خاں

(۱۳۳) محمد احمد صدیقی (ریڈر عربی و فارسی یونیورسٹی الہ آباد)

(صدیقی صاحب نے اپنا تھیسس "ابن حریری اور مقامات" مولانا کو بھیجا تھا اور اس کے بارے میں مولانا کی رائے دریافت کی تھی۔)

۲۹ر دسمبر ۵۵ء

آپ کی کتاب تو مولانا کو مل گئی۔ لیکن ان کے لیے مشکل ہے کہ وہ اس بارے میں کچھ لکھیں۔ ان کی رائے مقامات کے بالکل خلاف ہے اور حریری سے تو اور زیادہ ان کو اختلاف ہے۔ مقامات کے اسلوب نے عربی کے فن کتابت[1] کو سخت نقصان پہنچایا اور متاخرین محض لفظی گورکھ دھندے میں پھنس گئے۔ اس لیے وہ معذوری ظاہر کرتے ہیں کہ اس بارے میں کچھ کہیں۔ کیونکہ اگر وہ کچھ کہیں گے تو خلاف ہی ان کے قلم سے نکلے گا۔ موافقت میں نہیں نکلے گا۔

محمد اجمل خاں

(۱۳۴) قاضی محمد عبد الغفار (ازبمبئی)

(قاضی صاحب نے اجمل خاں کو لکھا تھا کہ آپ نے میر کا یہ شعر

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

---

[1] فن کتابت سے مراد فن تحریر یا اسلوب نگارش ہے آج کل کے معنوں میں خوشنویسوں اور کاتبوں کا فن مراد نہیں۔

(مجھے سنایا تھا، مجھے کسی کلیات میں نہیں ملا۔ آپ نے یہ شعر کہاں دیکھا تھا یا کسی سے سنا تھا؟
یہ خط اور اس کا جواب اجمل خاں صاحب کی جانب سے ہے۔ مئی ۱۹۵۵ء)

یہ شعر میں نے مولانا جمال میاں فرنگی محلی سے سنا تھا اور انہیں میں نے خسرو دہلوی کا یہ شعر سنایا تھا۔

دلم بکوئے تو باصد ہزار نومیدی
بایں خوشی ست کہ امیدوار می گردد

پھر یہ سنایا:

یہ کون آیا کہ دھیمی پڑ گئی لو شمع محفل کی
پتنگوں کی طرح چنگاریاں اڑنے لگیں دل کی

اجمل

۱۳۵

ٹی۔ ایچ۔ پیرن نظامی

دار اوہ کونڈا (براہ گینٹا کل، آندھرا پردیش)

(مکتوب الیہ سورۂ فاتحہ کا تلگو زبان میں ترجمہ کرنے کی اجازت چاہتے تھے۔ یکم جنوری ۱۹۵۶ء)

مولانا آپ کو اجازت دے دیں گے لیکن وہ اس میں کوئی تبدیلی کر رہے ہیں۔ آپ کچھ دن توقف کیجیے کہ نیا ایڈیشن نکل جائے۔

محمد اجمل خاں

۱۳۶

مولانا عبدالسلام ندوی (اعظم گڑھ)

(مکتوب الیہ نے اپنی علالت کا تذکرہ، ملاقات کے اشتیاق اور بعض فلسفیانہ مسائل پر گفتگو کی خواہش کا اظہار کیا تھا ۱۱ر جنوری ۱۹۵۶ء)

مکرمی! تسلیم،

مولانا کو آپ کا خط ملا۔ ناسازی مزاج کا حال معلوم ہوا مولانا فرماتے ہیں کہ بہت دن ہوئے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اگر آپ دلی آئیں اور ملیں تو انہیں اس سے خوشی ہوگی۔

اجمل

(۱۳۷)

حسن عباسی ڈوئگہ۔ ضلع گجرات)

(مکتوب الیہ نے متعدد مذہبی اور فلسفیانہ سوالات کیے تھے۔ ۳۰ رجنوری ۱۹۵۶ء)

مولانا فرماتے ہیں کہ یہ تمام سوالات ایسے ہیں جو وقت چاہتے ہیں۔

اجمل

(۱۳۸)

محمد مقتدی خان شروانی (علی گڑھ)

(مکتوب الیہ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم کے مقالات کی ترتیب واشاعت اور ان کے سوانح حیات کی تالیف کے بارے میں مشورے کے لیے مولانا سے ملاقات کے متمنی تھے۔)

نئی دہلی

۳ رمارچ ۱۹۵۶ء

آپ کو جب مہلت ہو دلّی آکر اطلاع دیں گے۔ تو وقت بتا دیا جائے گا۔

محمد اجمل خاں

(۱۳۹)

للتہا پرشاد شاد (دہلی)

(مکتوب الیہ نے دریافت کیا تھا کہ اگر "رقاص" کی مونث "رقاصہ" صحیح ہے تو "اداکار" کی مونث "اداکارہ" کیوں غلط ہو؟ ۲۳ رمارچ ۱۹۵۶ء)

جناب محترم! تسلیم،

"رقاص" عربی لفظ ہے اور "اداکار" فارسی ہے۔ فارسی میں مونث مذکر نہیں ہوتا۔ عربی میں "ۃ" لگا کر مونث بناتے ہیں فارسی میں نہیں۔

نیاز مند

اجمل خاں

(۱۴۰)

ڈاکٹر رام بابو سکسینہ (لکھنؤ)

(ایک مرقع کے نام، زمانۂ تصنیف اور اس کے مصنف کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ یہ مرقع "مرقع شعرا" کے نام سے شائع ہوگیا ہے اور مولانا نے اس پر پیش لفظ تحریر فرمایا ہے ۱۹ راپریل ۱۹۵۶ء)

محبی! تسلیمات

خط ملا۔ جب آیئے گا تو مفصل گفتگو ہوگی۔

اجمل

سید ظفر ہاشمی (منٹگمری)

(۱۴۱)

(مکتوب الیہ وحشت صاحب کے شاگرد رشید ہیں۔ انہوں نے مکاتیب وحشت کا ایک نسخہ حضرت مولانا کی خدمت میں تحفۃً بھیجا تھا۔ ۲۳ر اپریل ۱۹۵۶ئ)

جنابِ محترم! تسلیم

وحشت صاحب کی زبان اتنی پاکیزہ تھی کہ ۲۷ء میں جب کلکتے میں ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوتا تھا کہ وہ لکھنؤ سے تازہ وارد کلکتہ ہیں۔

مکاتیبِ وحشت یہاں پہنچ چکے ہیں۔ مولانا کو آپ اچھی طرح یاد ہیں۔

والسلام

محمد اجمل خاں

راہول سانکرتائن (مسوری)

(۱۴۲)

(مکتوب الیہ نے مشاہیر شعرائے اُردو کا کلام ہندی حروف میں چھاپنے کی تجویز پیش کی تھی۔)

۲ر جنوری ۱۹۵۶ئ

جناب محترم! تسلیم

آپ کی یہ تجویز بہت مناسب ہے، لیکن وسیع پیمانے پر یہ کام جبھی ہو سکتا ہے کہ جب کوئی بڑی ایجنسی اس کام کو ہاتھ میں لے۔ گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عام مطالعے کے لیے بہترین لٹریچر کثرت کے ساتھ چھاپا جائے اور لوگوں کو کم سے کم قیمت پر مل سکے۔ ٹرسٹ کا کام جلد شروع ہونے والا ہے۔ وہ اس کام کو بھی ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ ٹرسٹ بورڈ کے چیرمین ڈاکٹر جان متھائی وائس چانسلر بمبئی یونیورسٹی ہیں۔

اجمل خاں

(منجاب مولانا آزاد)

(۱۴۳)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری (کراچی)

(ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا تھا کہ آیا ان کا یہ خیال درست ہے کہ رباعی کا موجد رودکی ہے، کوئی عرب نہیں؟

ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب نے دو رباعیاں بھی تحریر کی تھیں اور دریافت کیا تھا کہ آیا وہ مولانا کی ہیں؟

ان میں دوسری رباعی یہ تھی جس کی طرف مولانا نے اشارہ کیا ہے۔

تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی
اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
مے خانہ نے رنگ روپ بدلا ایسا
مے کش مے کش رہا، نہ ساقی ساقی)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۱۸/ اکتوبر ۵۶ء

جناب محترم تسلیم،

۱۔ رباعی کے متعلق آپ کا خیال درست ہے۔

۲۔ جو دو رباعیاں آپ نے لکھی ہیں ان میں سے ایک حضرت مولانا کی ہے یعنی "تھا جوش و خروش اتفاقی ساقی" اور کوئی رباعی جدید نہیں کہی

محمد اجمل خاں

بخدمت جناب فرمان صاحب فتح پوری

ملیر سٹی۔ کراچی

(۱۴۴)

محمد یعقوب شاہ (لاہور)

(مکتوب الیہ نے زمانہ جاہلیت میں عربوں کی تجارت کے طریقے کے موضوع پر کسی مستند کتاب کا نام معلوم کیا تھا۔)

۴۔ کنگ اڈورڈ روڈ۔ نئی دہلی

۷۔ نومبر ۵۶ء

جناب محترم تسلیم،

کتاب کا نام ہے؛

"بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب" مصنف الآلوسی البغدادی کی دیکھیے۔

راقم

محمد اجمل خاں

بخدمت سید یعقوب شاہ صاحب

۱۱۔ سی۔ وارث روڈ

لاہور

محمد اکبر (لائبریرین اسلامیہ کالج۔ لائل پور) ۱۴۵

(کسی صاحب نے ایک مجلس میں مولانا پر شراب نوشی کا بہتان لگایا تھا۔ مکتوب الیہ نے جو مولانا کے عقیدت مند ہیں حقیقت حال سے متعلق استفسار کیا تھا۔ ۱۵/ مارچ ۱۹۵۵ء)

میرے عزیز!

آپ کا خط اس قابل نہیں تھا کہ میں مولانا کی خدمت میں اسے پیش کرتا۔ آپ لوگ اہل علم ہیں اس قسم کے استفسارات آپ کے نزدیک مستحسن نہیں۔ جن حضرات نے یہ تہمت لگائی ہے۔ اگر انہوں نے بچشم خود دیکھا ہے تو ان سے پوچھیے کہ کہاں دیکھا ہے اور اگر کسی سے سنا تھا تو وہ شخص قابل اعتبار نہیں۔ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (بدگمانیاں گناہ میں داخل ہیں) دنیا کے بہت سے قائدین جن کے اکثر مسلمان ہمنوا ہیں، علانیہ مے کش تھے۔ اور اگر بادہ نوشی کے لیے فتویٰ چاہتے ہیں تو خیام سے مانگیے وہ فرماتے ہیں ؎

من بادہ خورم ولیک مستی نہ کنم　　الا بقدح دراز دستی نہ کنم
دانی غرضم زمے پرستی چہ بود　　تا ہمچو تو خویشتن پرستی نہ کنم

محمد اجمل خاں

بیگم مسعود اختر جمال (رائے بریلی) ۱۴۶

(ہماری زبان، علی گڑھ میں مسعود اختر جمال کی تشویشناک حالت کی خبر پڑھ کر ان کی اہلیہ کو یہ خط لکھا گیا۔)

دہلی!

۲۹ راگست ۱۹۵۷ء

محترمہ تسلیمات،

اخبار میں چھپا ہے کہ آپ کے شوہر علیل ہیں۔ گورنمنٹ کے پاس ان کی اعانت کے لیے کوئی درخواست نہیں آئی۔ ایسے شعرا اور ادیب جنہوں نے قابل قدر خدمت انجام دی ہے اور آخر عمر میں پریشان حال ہیں ان کی اعانت کے لیے گورنمنٹ نے ایک الگ فنڈ رکھا ہے۔ معلوم نہیں کہ آپ کے شوہر کے حالات کیا ہیں۔ اگر حالات ایسے ہیں کہ اعانت کی ضرورت ہے تو مہربانی کر کے تفصیلات لکھ دیجیے۔

محمد اجمل خاں

(۱۴۷)

نامعلوم

(اس خط کے مکتوب الیہ کا نام درج نہیں ہے اس پر تاریخ بھی تحریر نہیں البتہ تاریخی ترتیب میں اس کی جگہ ۶ رفروری ۷۵ء کے بعد کی ہے۔)

ڈیئر سر!

میں یہ خط مولانا ابوالکلام آزاد کی ہدایت سے لکھتا ہوں "ونڈرفل انڈیا" کے اُردو حصے کو بعض مقامات سے دیکھنے کا اب موقع ملا تو انہیں یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوا کہ اُردو ترجمہ نہایت درجہ غلط ہوا ہے اور بعض مقامات میں تو انگریزی اور اُردو عبارت بالکل دو مختلف معانی پیدا کر رہی ہے۔ علاوہ بریں ادبی حیثیت سے بھی اُردو حصہ نہایت گرا ہوا ہے۔ اُردو کا پروف بھی کسی نے نہایت بے پروائی سے دیکھا ہے۔ طباعت اور کمپوزیشن کی غلطیاں بھی ہوئی ہیں۔

مولانا کو افسوس ہے کہ ایک کتاب خاص اہتمام سے مرتب کی جائے اور اس میں اس طرح کے نقائص بھی ہوں۔

یہ خط اس خیال سے لکھا جاتا ہے کہ غالباً کتاب کا سیکنڈ ایڈیشن شائع کیا جائے، اگر ایسا ہو تو اس کی کوشش کرنی چاہیے کہ اُردو حصے کی کسی قابل شخص سے نظر ثانی کرائی جائے۔

محمد اجمل خاں

پروفیسر خورشید الاسلام (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) (۱۴۸)

(مکتوب الیہ اپنے مضامین کا مجموعہ مولانا کے نام سے معنون کرنا چاہتے تھے اس کے لیے مولانا کی اجازت کے طالب تھے۔ ۲ر جون سنہ ۱۹۵۷ء)

جناب محترم!

مولانا فرماتے ہیں کہ میری رائے اس کے خلاف ہے کہ کتاب کسی کے نام سے معنون کی جائے۔ ہر چیز کو بغیر اس کے نکلنا چاہیے۔ لیکن باوجود اس کے اگر آپ چاہتے ہیں تو خیر۔[۱]

محمد اجمل خاں

الطاف جاوید (کراچی) (۱۴۹)

(محمد اجمل خاں کی کتب "پس منظر اسلام" اور "سیرۃ سیدنا محمد عربی صلعم" کے مطالعے کے بعد الطاف جاوید نے دریافت کیا تھا کہ انبیاء (علیہم السلام) کی بعثت کا مقصد جن سیاسی، معاشرتی، معاشی اور اخلاقی اقدار کا حصول قرار دیا جاتا ہے۔ انہیں اقدار کا حصول کمیونزم کا نصب العین ہے پس اگر ہمارے تمام مسائل مذہب کے اقرار کے بغیر بھی حل ہو سکتے ہیں تو مذہب کے لیے ہماری اپیل کی وجہ جواز کیا رہ جاتی ہے ۲۱ نومبر ۱۹۵۶ء)

آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ انبیاؑ کی بعثت کا مقصد سیاسی و معاشرتی مقاصد ہیں۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد روحانی زندگی کی پاکیزگی اور معنوی نجات کا حاصل کرنا ہے۔ یہ روحانی پاکیزگی انسان مادی وسائل سے حاصل نہیں کر سکتا اس لیے وحی کا محتاج ہے۔

روحانی پاکیزگی کا اثر ہماری زندگی کے تمام اعمال پر پڑتا ہے لیکن وہ اثر بالذات نہیں بالغیر ہے۔ اصل مقصود روحانی پاکیزگی ہے۔ مذہب بتایا ہے کہ ظلم نہیں کرنا چاہیے ورنہ ظلم کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سوسائٹی ظلم سے اجتناب کرے۔ اگر ظلم سے

---

[۱] خورشید صاحب کے مقالات کا یہ مجموعہ انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ سے شائع ہو گیا ہے لیکن اب اس کا انتساب ڈاکٹر ذاکر حسین کے نام ہے۔ کتاب شائع ہوئی تو مولانا کا انتقال ہو چکا تھا۔ ذاکر حسین اس وقت صدر جمہوریہ ہند تھے۔

اجتناب نہ کرے گی تو میزان عدل استوار ہوگا مذہب کی تعلیم کا اصل مقصود روحانی نجات ہے اس چیز کو سامنے رکھ کر اس معاملے پر غور کرنا چاہیے ورنہ سخت الجھاؤ پیدا ہوں گے۔

کمیونسٹ جہاں تک سائنٹیفک سوشل نظام پر زور دیتے ہیں یعنی پرائیویٹ دولت کا دروازہ بند کرنا اور دولت کو قومی وسائل میں محدود کر دینا یہ ایک صحیح مقصد ہے۔ مذہبی اعتقاد کا اس سے کوئی تعلق نہیں یہ ضروری نہیں کہ جب تک ایک شخص خدا کی ہستی سے انکار نہ کرے وہ سوشل نظام کا معترف نہ ہو سکے۔

غالباً حضرت مولانا کی مندرجہ بالا تشریح سے آپ کی تشفی ہو گئی ہو گی اور آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ روحانی اقدار کی بنیادوں ہی پر ہر قسم کی ترقی کی جا سکتی ہے۔ خواہ وہ مادی ترقی ہو یا سماجی۔ میرا مقصد یہ ہے کہ ماننا پڑتا ہے ترقی کے لیے انسانی دماغ کو صرف مادہ کا مظہر سمجھنا اور اس کو روح یا ماورائے مادہ کا مترادف سمجھنا صحیح نہیں۔ یہ ایک سائنٹیفک حقیقت ہے کہ روح اور الہام دونوں مادہ سے ماوراء اور اس کے قائد ہیں۔ جو لوگ اسے نہیں ماننا چاہتے وہ ہٹ دھرم ہیں ان کو جدید نفسیات اور روحانیت کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

محمد اجمل خاں

(۱۵۰)

کرم الٰہی بدر (لاہور)

(سرمد شہید کے حالات کے لیے ماخذ دریافت کیے گئے تھے۔)

فارسی شعراء کے جو تذکرے ہیں اکثر میں مختلف حال موجود ہے۔ ہندوستان کے تذکروں میں مراۃ الخیال میں کسی قدر تفصیل ملتی ہے "دبستانِ مذاہب" میں بعض تفصیلات ملیں گی نیز "کتاب پیدائش" کا فارسی ترجمہ بھی سرمد کی نگرانی میں ہوا تھا۔

ابوالکلام[۱]

(۱۵۱)

خواجہ غلام السیدین بمبئی

(خواجہ غلام السیدین مولانا کے ترجمان القرآن کا انگریزی میں ترجمہ کر رہے تھے بعض عربی اصطلاحات کے انگریزی ترجمہ و تبادل میں انھیں مشکل پیش آئی اس سلسلے میں انھوں نے مولانا

[۱] منقول از آجکل دہلی (ابوالکلام آزاد نمبر ۱۹۵۸ء)

کے ارشاد پر اصطلاحات کی ایک فہرست بنا کر بھیج دی تھی (۷ ا جولائی ۱۹۴۳ء) ان اصطلاحات کا ترجمہ محمد اجمل خاں کا اور اصلاح مولانا کے قلم سے ہے۔ لیکن یہ پتا نہیں چلتا کہ حضرت مولانا کی اصلاح قوسین کے اندر ہے یا باہر خواجہ صاحب مرحوم کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو سکے یا نہیں۔ سید عبداللطیف کا ترجمہ چھپ چکا ہے لیکن انہوں نے مولاناؒ کی خاص اصطلاحات و تراکیب کا ترجمہ کرنے یا ان کے متبادل تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ انہوں نے ترجمان القرآن و تفسیر کے مفہوم کو بیان کر دیا ہے۔ یہاں تمام اصطلاحات کو لغت کے انداز پر مرتب کر دیا ہے۔)

وہ ترجمہ جو میں نے کیا اور مولانا نے کاٹ کر اصلاح کی

محمد اجمل

1. (Abstinence) Perfection. اتقان
2. Benefit and Effusion. افادہ وفیضان
3. Positive Phenomena (Real Phenomena). ایجابی مظاہر
4. Quranic Reasonings (Arguments). براہین قرآنیہ
5. Creation with design and purpose. تخلیق بالحق
6. (Equalise) Arrangment. تسویہ
7. To ennoble, to glorify, to exalt. تشریف
8. (Fixation of values) Estimation of things. تقدیر اشیاء
9. To fold or wrap up. تکویر
10. (Recognition) Gnosis of Knowledge of reality. حقیقت شناسی
11. G O D L I N E S S. خدا پرستی
12. Subjective guidance, internal momentum. ربوبیت معنوی
13. (Blessing) Compassion and beauty. رحمت وجمال
14. (Felicity) Happiness and Prosperity. سعادت وفلاح
15. Negative Phenomena (illusion). سلبی مظاہر
16. Duty to Relatives, Generosity to relatives. صلہ رحمی
17. Law of Competents. (Experimentalism) قانون مجازات
18. Judgement according to Law (of God). قضاء بالحق
19. (Wrath Power and (glory) splendour. قہر وجلال
20. (The World of the living Universe of life). کارخانہ حیات
21. (Sources) basis of arguments). مبداء استدلال
22. Mental perceptions. مدرکات ذہنی
23. (System) order of nourishment, development and guidance. نظام ربوبیت

(۱۹۳۸ء میں وزیرستان کے "شامی پیر" کی نسبت جن کا نام پہلے پہل گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک کمیونک میں آیا تھا اور جو اس وقت کراچی میں مقیم تھے ان کے متعلق ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمایندے کو ایک انٹرویو میں مولانا آزاد نے یہ بیان دیا تھا۔)

عراق کے مشہور مسلم سینٹ شیخ عبدالقادر جیلانی کے ڈائیرکٹ خاندانی سلسلے کے جانشیں تو بغداد میں رہتے ہیں اور "نقیب" کے لقب سے پکارے جاتے ہیں، لیکن اس خاندان کی ایک شاخ عرصے سے شام (سیریا) میں بھی آباد ہو گئی ہے۔ اور "جیلانی" ہی کے لقب سے پکاری جاتی ہے۔ یہ خاندان دمشق کے نہایت معزز خاندانوں میں سے سمجھا جاتا ہے اور عوام انہیں مذہبی عقیدت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ سید محمد سعید جو "شامی پیر" کے نام سے وزیرستان میں مشہور ہوئے اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

افغانستان کے متعدد خاندان امیر عبدالرحمان کے زمانے میں پولٹیکل وجوہ سے جلا وطن ہو گئے تھے۔ ان میں سے بعض اشخاص ٹرکی چلے گئے اور بعض دمشق میں مقیم ہو گئے۔ انہی میں امیر امان اللہ کے خسر محمود طرزی کا خاندان بھی تھا۔ ان افغانی خاندانوں نے دمشق میں ازدواجی تعلقات پیدا کر لیے تھے جن کی وجہ سے سید محمد سعید کا خاندان طرزی خاندان سے وابستہ ہو گیا۔ غالباً یہ امیر امان اللہ کے آخری عہد کا واقعہ ہے کہ سید محمد سعید اپنے خاندانی علائق کی بنا پر افغانستان گئے تھے وہاں امیر موصوف نے ان کی بہت آؤ بھگت کی تھی اور برسر دربار ان کا ہاتھ چوما تھا۔ جب یہ کابل سے لوٹے تو کلکتے پہنچے اور کلکتہ کے رہنے والے تمام کابلی پٹھانوں نے انھیں اپنا مہمان تصور کیا۔ اس زمانے میں مجھے ان کے حالات معلوم ہوئے اس وقت ان کی عمر ۲۴، ۲۵ برس سے زیادہ نہ ہو گی۔ کلکتے میں دو تین ہفتے ٹھہر کر یہ اپنے وطن واپس چلے گئے اب معلوم ہوتا ہے کہ پچھلے دنوں یہ دوبارہ ہندوستان آئے اور وزیرستان کے علاقے میں پہنچ گئے۔ اگر یہ صحیح ہے کہ افغانستان کے موجودہ دور کے خلاف ان کی سرگرمیاں شروع ہو گئیں تھیں تو یقیناً اس معاملے کی تہہ میں امیر امان اللہ کی حمایت کا جذبہ پوشیدہ ہو گا۔ بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کام کے لیے زیادہ موزوں آدمی نہ تھے جس میں انھوں نے اپنے آپ کو آسانی کے ساتھ ڈال دیا۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی تھوڑی سی کوشش اس کے لیے کافی ہوئی کہ یہ ایک ہوائی جہاز میں بیٹھ کر کراچی پہنچ جائیں۔

افغانستان پر ایک سخت مصیبت کا دور گزر چکا ہے اور موجودہ حکمران خاندان نے اسے مصیبت سے نجات دلائی ہے ہر ایسی کوشش جو اب ملک کی قائم شدہ حکومت کو بدلنے کے لیے کی جائے گی یقیناً ملک کے لیے نیک فال نہیں سمجھی جا سکتی۔

ابوالکلام

ضمیمہ

نامۂ غالب

(خط نمبر ۴۴ حصۂ ادبی میں خداداد خاں اور ولی داد خاں کے نام غالب کے ایک خط کا ذکر آیا ہے۔ یہ خط عبدالوحید خاں نے مولانا آزاد کی خدمت میں بھیجا تھا۔ عبدالوحید خاں نے اس خط کے ساتھ اپنے خاندان کا شجرہ بھی لکھا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالوحید خاں ابن عبدالغنی خاں ولی داد خاں ابن خداداد خاں کے بھائی کریم داد خاں کے نواسے ہیں۔ قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے یہ خط بطور ضمیمہ یہاں شامل کیا جاتا ہے)

خانصاحبان مہربان خداداد خان صاحب و ولی داد خان صاحب سلامت! از اسداللہ خاں عرف مرزا نوشہ بعد سلام معلوم فرمائند کہ چوں آں صاحبان بہ اجاب والدہ صاحبہ قبلہ و کعبہ حضرت عزت النسا بیگم صاحبہ مدظلہ العالی ہم بہ طریق رہن حویلے و ہم بہ سبیل دست گرداں طرح داد و ستد در میان دارند و بہ لحاظ امر ناگزیر کہ لازم نفوس بشری است دل جمعی خود ازیں جانب می خواہند۔ لہٰذا نوشتہ می شود کہ خدائے جہاں آفریں جناب بیگم صاحبہ قبلہ یعنی والدہ صاحبہ دیرگاہ سلامت دارد بہ ذات خود مالک آں ہر حویلی اند و دیگرے دراں ہیچ گونہ شرکت و انبازی نیست و اکراہیانہ خدانہ خواستہ باشد امر ناگزیر کہ لازم ذات انسانیت پیش خواہد آمد از اں مجموعہ اول ادائے قرضہ آں صاحبان کردہ خواہد شد و اگر ناگاہ وجہ قیمت آں مجموعے بہ ادائے قرضہ آں صاحبان کفایت نہ خواہد کرد بقیۂ قرضہ آں صاحبان از خود ادا خواہم کرد لیکن ایں معنی بہ خاطر باشد کہ چوں جناب والدہ صاحبہ نوشتن و خواندن می دانند لہٰذا اقرار داد آں ست کہ ہر مہری جناب والدہ صاحبہ کہ بے دستخط جناب ممدوحہ خواہد از پایۂ اعتبار ساقط منصور خواہد شد۔

خلاصہ ایں کہ آں صاحبان ہر زرے کہ بہ جناب والدہ صاحبہ قبلہ بہ سبیل قرض و ہند تمسک مہری جناب ممدوحہ مزید بہ دستخطِ جناب ممدوحہ حاصل کردہ نزد خود دارند۔ ہر تمسک کہ ایں چنیں خواہد بود زرِ مندرجہ آں اگر بہ حسب اتفاق بہ ذمہ جناب ممدوحہ باقی خواہد ماند جناب ممدوحہ ادائے آں زر خواہ از املاک متروکہ خواہ از جائداد خاص خود من کل الوجوہ بہ ذمہ من خواہد بود ہرگز دریں امر تردد نہ فرمائند و ایں خط را کہ من بہ دستِ خود در حالتِ ثباتِ حواس بے جبر و اکراہ بہ رضائے خود نوشتہ ام دست آویز کامل شناسند۔ فقط۔ نگاشتہ سے ام جنوری ۱۸۰۴ سنہ عیسوی

نوٹ: ایک فاضل نے ملاحظے کے بعد اس خط کے جعلی ہونے پر اصرار کیا ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ غالب ایک خاتون کو مدظلہا کے بجائے "مدظلہ" نہیں لکھ سکتے تھے۔ نیز یہ کہ غالب کی پیدائش ۱۷۹۷ء کی ہے، جنوری ۱۸۰۴ء میں ان کی عمر سات سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ میرے نزدیک یہ نقل بعد نقل میں سہو قلم سے غلطیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ خط غالب ہی کا ہے۔ اس لیے کہ علی گڑھ کے جس خاندان عظیم الشان کے اکابر کے نام یہ خط ہے اور اسکے جس خلف سعید و صالح نے یہ خط مولانا کو بھیجا تھا ان سے اس قسم کے جعل کی رکاکت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

مولانا ابوالکلام آزاد

(بہ حیثیت مفسّر و محدث)

مولانا آزاد کی حیاتِ علمی و خدماتِ دینی کا ایک عظیم الشان پہلو

تالیف و تدوین

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

بیسویں صدی میں اتباع کلمات اللہ و جمع ما جاء بہ القرآن کے سب سے بڑے داعی کی خدماتِ دینی کا ایک بےنظیر تذکرہ

برِ صغیر پاک و ہند کے علمائے محققین اور اصحابِ ذوق و نظر کی جانب سے مولانا آزاد کی عظیم الشان خدمتِ قرآن و حدیث کا اعتراف

لکھنے والے

علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، مولانا محمد حنیف ندوی، سید عبداللطیف، ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری، مولانا غلام رسول مہر اور مولانا محمد شعیب گورکھپوری

سفید کاغذ ــــــ آفسٹ کی چھپائی ــــــ قیمت ۲۰ روپے

پتہ

ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان

۱۸۰۸۶- الحیدری - کراچی ۳۳

تاریخِ ملتِ اسلامیہ ہندوستان کے ایک اہم دور کی سب سے مستند کتب حوالہ

مولانا محمد علی
اور
اُن کی صحافت

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کے قلم سے

مولانا محمد علی شاعر، ادیب، خطیب، سیاستدان سب کچھ ہی تھے

لیکن

اُن کے ذہنی و فکری کمالات کا اظہار سب سے زیادہ صحافت کے میدان میں ہوا ہے

کامریڈ اور ہمدرد کے اجراء کی تاریخی سرگذشت

کامریڈ اور ہمدرد میں کام کرنے والے اہلِ قلم اور کارکنوں کے حالات کا مُرقع،

اور

کامریڈ اور ہمدرد کے مقالاتِ افتتاحیہ اور ہمدرد کے تمام اہم مضامین کے اشاریے!

اس آئینے میں آپ وقت کے اہم مسائل کا عکس اور ہندو مسلم سیاسی اتحاد، ان کے افکار اور سیرت کے حقیقی خد و خال دیکھ سکیں گے

شعر و ادب، تذکار و سوانح، صحافت، سیاست اور تاریخ ملک و قوم کے ہر پہلو اور

مولانا محمد علی کے افکار و سوانح پر تصنیف و تحقیق کے لیے حوالہ کی ایک ناگزیر کتاب

(ناشر)

ادارۂ تصنیف و تحقیق پاکستان پوسٹ بکس ۱۰۸۶۰ الحیدری کراچی

قیمت ۶۰ روپے　　مجلد　　سفید کاغذ